ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

جلد پانچ

"دعا مانگنا عین تقاضائے بندگی ہے اور اس سے منہ موڑنے کے
معنی یہ ہیں کہ آدمی تکبر میں مبتلا ہے"

(تلخیص تفہیم القرآن: ۹۷۵، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر: ۱۹

جمادی الآخر، رجب ۱۴۲۴ھ
جولائی، اگست ۲۰۰۳ء

شمارہ نمبر: ۷۔۸

مدیر مسئول
ابوالمکارم فلاحی ازہری

مدیر معاون
انیس احمد فلاحی مدنی

- سالانہ زر تعاون: 90-00 روپے
- خصوصی زر تعاون: 100-00 روپے
- بیرون ملک سے: 25-00 امریکی ڈالر

- طلبہ کے لئے: 80-00 روپے
- اعزازی زر تعاون: 1000-00 روپے
- قیمت فی شمارہ: 15-00 روپے

☐ اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے
لہٰذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح
بلریاگنج، اعظم گڑھ، یوپی 276121۔ فون نمبر 05466-225115,

کمپوزنگ: ابوالفرقان عبدالمعید

نقوش حیاتِ نو

○ اداریہ			
	دعا کی اہمیت و فضیلت	انیس احمد مدنی	۳
○ مقالات	قیامت کی نشانیاں (آخری قسط)	یوسف الوابل	۵
	نماز کے بعد دعا کا حکم	ابو عارض فلاحی	۱۳
○ بحث و نظر			
	صداقت اسلام کے سائنسی شواہد (۱)	عبدالرحمٰن ذریاب فلاحی	۳۲
	اسلام کی وسیع الظرفی	نور الصباح انور	۳۶
○ تعارفِ کتب			
	اسلامی مصادر کا تعارف (۲)	ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابو سلیمان	۴۳
○ دفاع عن السنۃ			
	اخبار آحاد کی شرعی حیثیت آخری قسط	انیس احمد	۴۷
○ مذاہبِ عالم			
	شرک کی قدامت	ادارہ	۵۲
	تقابلِ ادیان کی تدوین میں مسلم مصنفین کا رول		۵۵
○ جامعہ کے لیل و نہار		ادارہ	۶۲
	ششماہی نتائج		
	جامعہ پر ریسرچ ورک		
	ایک تعارفی نشست		
	ذمہ داران جامعہ کا تعلیمی و تعارفی دورہ		
	دورۂ علوم شرعیہ کا افتتاح		
	اظہار تعزیت		
	فارغات متوجہ ہوں		

اداریہ

دعا کی اہمیت و فضیلت

انیس احمد مدنی

دعا مانگنا بندگی کے اظہار و اعتراف و اقرار کا اکمل ترین عملی روپ ہے۔ اسکے ذریعہ بندے کے اندر اپنے فقر و احتیاج اور بے چارگی و بے بسی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ خالق کائنات کی عظیم قدرت و عظمت کا تصور بھی ابھرتا ہے۔ بندہ دونوں ہاتھوں کو اٹھا کے جب خدا کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے اور اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علو و کمال کا واسطہ دے کر اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کے ازالہ کے لئے مدد و تائید کی التجاء کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اسکے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو بھر دیا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے! " ان الله حیی کریم یستحی اذا رفع الرجل الیه یدیه أن یردهما صفرا خائبتین "اللہ تعالیٰ فیاض اور باحیا ہے اسے شرم آتی ہے کہ بندہ اسکی بارگاہ میں اپنے ہاتھ پھیلائے اور وہ اسے نامراد لوٹا دے"۔

دعا ہی بندگی کی روح ہے ارشاد رسول ہے "الدعاء مخ العبادة" (الترمذی مع التحفہ ۵ / ۲۷۳)۔ دعا ہی عبادت ہے۔ دعا نہ کرنا در حقیقت ... کی علامت اور تکبر و استکبار کی علامت اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز سمجھنا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے بے حد ناراض ہوتے ہیں جو دعا سے اعراض کرے۔ "من لم یدع الله سبحانه غضب علیه " جو اللہ کو نہ پکارے، اللہ تعالیٰ اسپر شدید ناراض ہوتے ہیں۔

خدا کی بارگاہ میں جو چیز بندے کو باوزن بناتی ہے اور خدا کی نگاہ التفات کو اسکی جانب متوجہ کرتی ہے وہ دعا ہی ہے۔ ارشاد باری ہے!

" قل ما یعبو بکم ربی لولا دعاؤکم فقد کذبتم فسوف یکون لزاما"
(سورۃ الفرقان: ۷۷)

اے نبی لوگوں سے کہو! "میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اسکو نہ پکارو۔ اب کہ تم نے جھٹلا دیا ہے عنقریب وہ سزا پائیں گے کہ جان چھڑانی محال ہوگی"۔

لفظ کریہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ سے دعائیں نہ مانگو اور اس کی عبادت نہ کرو اور اپنی حاجات میں اس کو مدد کے لیے نہ پکارو تو پھر تمہارا کوئی وزن بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہیں ہے۔ اس کی نگاہ سے دور پھینکو کے برابر بھی تمہاری پرواہ کرے محض مخلوق ہونے کی حیثیت سے تم میں اور پتھروں میں کوئی فرق نہیں۔ تمہارے اللہ کی کوئی حاجت اٹکی ہوئی نہیں کہ تم بندگی نہ کرو گے تو اس کا کوئی کام رکا رہ جائے گا۔ اس کی نگاہ التفات کو جو چیز تمہاری طرف مائل کرتی ہے وہ تمہارا اسی طرف ہاتھ پھیلانا اور اس سے دعائیں مانگنا ہے۔ یہ کام اگر نہ ہو تو کوڑے کرکٹ کی طرح بے وقعت اور ناقابل التفات سمجھے جاؤ گے۔

دعاء کی اہمیت کا یہ پہلو بھی ذہن میں رہے اس سے قسمتوں اور تقدیروں کے اٹل فیصلے بھی بدل جاتے ہیں۔ وہ دعا ہی تھی جس نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا، اور غار کے دہانے پر اٹکی ہوئی چٹان کو دور کر کے اس سے باہر آنے کا راستہ دیا۔ اور پھر وہ دعا ہی تھی جس نے بدر و حنین کے معرکوں میں مسلمانوں کی تقدیر بدل دی۔ زکریا اور ابراہیم علیہ السلام کی بیویوں کے بانجھ ہونے اور کبر سنی کے باوجود بھی ان کی گودوں کو بھر دیا۔

دعاء کی اس اہمیت کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے دعاء کے سلسلہ میں بے رغبتی کو دیکھے تو شاعر کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

نحن ندعوا الاله فی کل کرب ☆ ثم ننساه عند کشف الکروب
کیف نرجو اجابة لدعاء ☆ قد سددنا طریقها بالذنوب

ہر بار ہم مصیبت میں اللہ کو پکارتے ہیں لیکن مصیبت کے دور ہوتے ہی اسے بھول جاتے ہیں۔
بھلا کوئی دعا باب اجابت سے کیا ٹکرائے ہم نے تو اس کی راہ میں گناہوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے ہیں۔

حقیقت ہے کہ دعاء کے قبول ہونے کی شرط اولیں گناہ سے توبہ و استغفار ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان گلے تک گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا ہو۔ پھر اس کی صدائے طلب پر رحمت خداوندی کی باد بہاری اس کی امید کے غنچوں کو پیام خندہ بھی سنا دے۔ جب انسان کی زندگی گناہوں کا آشیانہ بنی ہوئی ہو اور اس کا کھانا، پینا اور لباس سب حرام ہو تو آخر اس کی دعا مقبول کیوں کر ہو سکتی ہے۔

سعد بن ابی وقاص نے کہا اے رسول خدا! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوۃ بنا دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"یا سعد! اطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة"

"اے سعد حلال لقمہ کھاؤ تمہاری ہر دعا قبول ہوگی۔"

مقالات

قیامت کی نشانیاں

آخری قسط　　　　یوسف الوطن

۵۲ : قسطنطنیہ کی فتح :

قسطنطنیہ، دجال کے خروج سے پہلے رومیوں پر فتح کے بعد ایک بار پھر مسلمانوں کے ہاتھوں بلا جنگ وجدال کے فتح ہوگا۔ مسلمانوں کا اسلحہ صرف تکبیر و تہلیل ہوگی۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے اس شہر کے بارے میں سنا ہے جس کا ایک کنارہ سمندر میں اور دوسرا خشکی کی طرف ہے؟ صحابہ نے جواب دیا، ہاں یا رسول اللہ۔ اس پر آپؐ نے فرمایا! قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ بنو اسحاق کے ستر ہزار مجاہدین اس شہر پر حملہ نہ کر دیں۔ یہ لوگ جب اس شہر کے پاس پہنچیں گے تو نہ تو ہتھیاروں سے جنگ کریں گے اور نہ ہی کوئی تیر پھینکیں گے۔ صرف لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اور اس کا سمندری حصہ فتح ہو جائے گا۔ دوبارہ کلمہ شہادت پڑھنے اور نعرہ تکبیر لگانے پر دوسرا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو جائے گا۔ تیسری بار تکبیر اور تہلیل کہنے پر راستہ صاف ہو جائے گا اور مسلمان شہر میں داخل ہو کر مال غنیمت حاصل کریں گے۔ ابھی مسلمان مال غنیمت تقسیم ہی کر رہے ہوں گے کہ پکارنے والا اعلان لگائے گا کہ "دجال کا خروج ہو چکا ہے چنانچہ مسلمان ہر چیز چھوڑ کر ادھر واپس لوٹ آئیں گے"۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن ۱۸، ۴۳/۴۴)

صحیح مسلم کے اکثر نسخوں میں "بنو اسحاق" کا تذکرہ ہے۔ صحیح مسلم کی بعض روایات اس پر شاہد ہیں کہ ان کی اکثریت قرب قیامت ایمان لے آئے گی۔ (صحیح مسلم ۱۸، ۲۱/۱) بلا جنگ وجدال کے قسطنطنیہ کی فتح اب تک حاصل ہوئی نہیں ہے۔ نیز ترمذی میں ہے "قسطنطنیہ کی فتح قیامت کے وقوع کے قریب ہی ہوگی"۔ رہی ترکوں کی فتح تو وہ جنگ، جدال کے ذریعہ ہوئی تھی نیز ۱۹۲۳ء میں کمال پاشا کی قیادت میں یہاں سیکولر (غیر اسلامی)

حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ آج وہاں غیر اللہ کی حکمرانی ہے۔ یہ شہر پھر عالم اسلام کے شہروں میں واپس آئے گا۔ انشاء اللہ۔

(حاشیہ عمدۃ التفسیر من ابن کثیر ۲/۲۵۶)

۵۳ : قحطانی کا خروج :

آخری زمانے میں نظام حکومت کے گڑبڑ ہو جانے کے بعد قبیلہ قحطان سے ایک شخص نکلے گا جس کی اطاعت پر لوگ متفق ہو گئے۔ ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک قبیلہ قحطان سے ایک فرد کا ظہور نہ ہو جائے جو اپنے اقتدار اور قوت سے لوگوں کی رہنمائی فرمائے گا۔ (مسند احمد ۱۸/ ۱۰۳، حدیث رقم ۹۳۹۵)

خلفاء کے سیاق میں اس قحطانی کا بھی تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عادل اور انصاف پسند ہوگا۔ عدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی کرے گا اور نافرمانوں کے ساتھ سختی سے پیش آئے گا۔ (التذکرہ: ص ۶۳۵)

۵۴ : یہودیوں سے جنگ :

قرب قیامت مسلمانوں اور یہودیوں سے شدید جنگ ہوگی۔ یہودی دجال کے پیروکار ہوں گے، مسلمان عیسیٰؑ کے فوجی۔ اس جنگ میں درخت اور پتھر بھی پکاریں گے۔ اے مسلم، اے عبداللہ یہ میرے پیچھے یہودی چھپ بیٹھا ہے۔ آؤ اسے قتل کر دو۔

مسلمانوں نے یہودیوں سے کئی جنگیں لڑی ہیں اور ان پر فتح بھی پائی ہے۔ جزیرہ عرب سے انہیں نکالا بھی ہے۔ لیکن قرب قیامت جو جنگ ہوگی وہ نزول عیسیٰؑ اور ظہور دجال کے بعد ہوگی۔ (مسند الامام احمد میں ہے:

سورج گہن کے موقع پر آپؐ نے طویل خطبہ دیا اور اس ضمن میں دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا "اہل ایمان بیت المقدس میں محصور ہو گئے اور جنگ کی شدت سے ہلا ڈالے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دجال اور اسکے لشکر کو نیست و نابود کرے گا یہاں تک کہ درخت کی جڑیں بھی پکاریں گی۔ اے مومن، اے مسلم، یہ یہودی چھپ بیٹھا ہے، آ! اسے قتل کر۔ اور یہ

واقعہ اسوقت تک واقع نہ ہوگا جب تک کہ اتنے عظیم واقعات پیش نہ آجائیں جن کی ہولناکی کو دیکھ کر تم اپنے درمیان یہ سوال کرتے پھرو گے کہ کیا تمہارے نبی ﷺ نے ان امور کا تذکرہ کیا ہے۔ (مسند احمد ۵/ ۱۶)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کرلیں۔ چنانچہ مسلمان یہودیوں کو اس قدر قتل کریں گے کہ وہ پتھروں اور درختوں کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ پتھر بھی پکار اٹھے گا۔ اے مسلم، اے عبداللہ، یہ یہودی میرے پیچھے چھپا بیٹھا ہے آؤ اسے قتل کرو۔ سوائے غرقد کے درخت کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن ۱۸/ ۴۴-۴۵)

ابوامامہ الباہلیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا عیسیٰؑ کہیں گے کہ دروازہ کھولو چنانچہ دروازہ کھول جائے گا اور اس کے ساتھ دجال ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ ہوگا ہر ایک کے پاس آراستہ تلوار اور ہری یا جھیم ٹوپی ہوگی۔ دجال کی نگاہ جب آپ پر پڑے گی تو اس طرح گلنے لگے گا۔ جس طرح نمک گلتا ہے اور دوڑ کر بھاگنے لگے گا۔ عیسیٰؑ فرمائیں گے تیرے بدن پر میرا ایک وار مقدر ہے جس سے بچ کر تو نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ آپ اسے لد کے مشرقی دروازے پر قتل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہزیمت سے دوچار کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے جس مخلوق کے پیچھے بھی یہ چھپیں گے اللہ تعالیٰ اسے قوتِ گویائی عطا فرما دے گا۔ درخت، پتھر، دیوار، چوپائے سب ان کے چھپنے کی خبر دیں گے، سوائے غرقدہ کے درخت کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔ اس لئے وہ گفتگو نہ کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۳۵۹، حدیث رقم: (۴۰۷۷)

۵۵ : مدینہ منورہ کا برے لوگوں کو نکال پھینکنا اور پھر ویران ہو جانا۔

آخری زمانے میں مدینے سے لوگ نکل پڑیں گے۔ صحیح مسلم میں ہے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب آدمی اپنے چچازاد بھائی اور قریبی افراد کو مال و دولت کی فراوانی کی جانب بلائے گا۔ درانحالیکہ مدینہ منورہ کی سکونت ان کے لئے بہتر ہوگی۔ ذات باری کی قسم! مدینہ

سے بے رغبتی کی بناء پر جو شخص نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر جانشین مدینہ کو عطا فرمائے گا۔ سنو! مدینہ لوہے کو تپانے والی بھٹی کے مانند ہے جو خبیث اور بد طینت لوگوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتا ہے۔ قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ برے لوگوں کو اس طرح نکال نہ پھینکیں جس طرح لوہے کی بھٹی لوہے کی گرد و غبار کو نکال پھینکتی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج، ۹/ ۱۵۳)

قاضی عیاض کے نزدیک مدینہ کے برے لوگوں کا نکال پھینکنا عہد نبوی کے ساتھ مختص تھا کیونکہ مدینہ میں کامل ایمان والوں کے علاوہ کسی کے لئے ہجرت کر کے وہاں مقیم اور آباد رہنا کافی دشوار تھا۔ البتہ امام نووی نے اسے دجال کے زمانے پر محمول کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ دونوں زمانے مراد ہیں۔ آپ کے عہد میں بھی جب بعض بدوؤں کے لئے مدینہ میں رکنا برداشت نہ ہوا اور وہاں کی آب و ہوا سے وہ بخار میں مبتلاء ہو کر بھاگ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا! مدینہ بھٹی کے مانند ہے جو خراب چیزوں کو نکال پھینکتی ہے۔ (صحیح بخاری، ۴/ ۵۶)

اور دجال کے سیاق میں آپ ؐ نے فرمایا کہ جب دجال مدینہ کے قریب پہونچے گا تو مدینہ میں تین زوردار جھٹکے محسوس ہوں گے جن کے ڈر سے اللہ تعالیٰ ہر کافر و منافق کو دجال کے پاس نکال لائے گا۔ (بخاری، ۱۳/ ۹۵)

ان دو زمانوں کے علاوہ بقیہ زمانے مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ عہد صحابہ میں متعدد فضلاء صحابہ جیسے معاذ بن جبلؓ، ابو عبیدہؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عمار رضی اللہ عنہم اجمعین مدینہ سے نکل کر دوسرے مقامات پر چلے گئے تھے۔

بالکل آخری زمانے میں مدینہ منورہ غیر آباد ہو جائے گا۔ بخاری میں ہے۔ "تم لوگ مدینہ منورہ کو اچھی حالت میں چھوڑ دو گے، صرف وہاں درندے ہی سکونت پذیر ہوں گے بالکل آخر میں قبیلہ مزینہ کے دو چرواہے اٹھائے جائیں گے اور وہ مدینہ آئیں گے تو اسے غیر آباد پائیں گے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ثنیۃ الوداع کے مقام پر پہنچیں گے تو منہ کے بل گر پڑیں گے۔ (صحیح بخاری، ۵/ ۸۹)

موطا مالک میں ہے: "مدینہ کو اس کی بہترین حالت میں تم لوگ چھوڑ کر چلے جاؤ گے یہاں تک کہ کتا اور بھیڑیا مسجد کے بعض ستونوں یا منبر پر پیشاب کر دے گا۔ صحابہ نے پوچھا اے رسول خدا تو ان ایام میں یہ پھل کس کے لئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، چرندوں اور درندوں کے لئے۔ (۲/ ۸۸۸)

ابن کثیرؒ کہتے ہیں! حدیث کا مقصود یہ ہے کہ: مدینہ منورہ دجال کے زمانے میں آباد رہے گا اور یہی صورتحال حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں بھی رہے گی، یہاں تک کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہی ہوگی اور وہیں آپؑ دفن ہوں گے۔ اس کے بعد پھر مدینہ ویران ہو جائے گا۔ (الفتن والملاحم ۱/ ۱۵۸)

عوف بن مالک کہتے ہیں کہ آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے پھر منبر کی جانب نگاہ اٹھائی اور فرمایا! "خدا کی قسم اہل مدینہ اسے چالیس سالوں کے لئے عوافی کے خاطر چھوڑ دیں گے۔ کیا جانتے ہو عوافی کسے کہتے ہیں؟ چڑیوں اور درندوں کو"۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ صورت ابھی کبھی پیش نہیں آئی ہے۔ (فتح الباری، ۱۳/ ۹۰)

مدینہ منورہ کی یہ ویرانی بالکل آخری زمانے میں خروج دجال اور نزول عیسیٰ کے بعد ہوگی۔ ہو سکتا ہے یہ ویرانی اس آگ کے خروج کے وقت پیش آئے جو لوگوں کو ہنکا کر محشر کی جانب لے جائے گی اور جس کے بعد صرف قیامت کا وقوع ہی باقی ہوگا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی کہ سب سے آخر میں جنہیں اٹھایا جائے گا وہ مدینہ کے دو چرواہے ہوں گے جو مدینہ آئیں گے تو اسے خالی اور غیر آباد پائیں گے۔

۵۶: مومنین کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے خوشگوار ہوا کا چلنا:

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی مومنین کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے پاکیزہ اور عمدہ ہوا کا چلنا ہے۔ چنانچہ اس ہوا کے چلنے کے بعد اللہ اللہ کہنے والا کوئی بھی متنفس باقی نہ بچے گا اور صرف برے لوگ باقی بچیں گے انہیں پر قیامت واقع ہوگی۔ یہ ہوا ریشم سے بھی زیادہ نرم و نازک ہوگی اور یہ مومنین کے لئے اللہ کا فضل اور اس کی عنایت ہوگی۔ حدیث سمعان میں ہے پھر اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو مومنین کو ان کی بغلوں کے نیچے سے پکڑے گی اور

ہر مومن و مسلم کی روح قبض کرے گی اور صرف برے لوگ باقی بچیں گے جو گدھوں .... چنانچہ قیامت انہیں پر واقع ہوگی۔ (صحیح مسلم، باب ذکر الدجال، ۱۸/۷۰)

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ خروج دجال کے بعد اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجیں گے جو عروہ بن مسعودؓ کے ہم شکل ہونگے۔ چنانچہ وہ دجال کی طلب میں نکلیں گے اور اسے ہلاک کردیں گے۔ پھر لوگ سات سال اسطرح گذاریں گے کہ کسی بھی دو افراد کے درمیان عداوت نہ رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی جانب سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر پائے جانے والے ہر مومن کی روح قبض کرے گی۔ یہاں تک کہ کوئی تم میں سے پہاڑ کے غار میں بھی داخل ہو جائے تو ہوا وہاں بھی داخل ہو کر اسکی روح قبض کرے گی (صحیح مسلم ۱۸/۵۷)

یہ ہوا نزول عیسیٰ اور دجال اور یاجوج وماجوج کی ہلاکت نیز سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور چوپائے کے خروج کے بعد اور بقیہ تمام بڑی نشانیوں کے بعد چلے گی (فیض القدیر ۶/۲۱۷)

یہ نشانی قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوگی" لا تزال طائفته من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین یوم القیامه لایضرہم من خذلہم حتی یاتی امر اللہ" میں امر الٰہی سے مراد اس ہوا کا چلنا ہے۔ (فتح الباری ۱۳/۸۵،۱۹)

بعض حدیثوں میں اس ہوا کے شام بعض میں یمن سے چلنے کا تذکرہ ہے صحیح مسلم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ یمن کی جانب سے ریشم سے بھی زیادہ نرم و نازک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن کی روح قبض کرے گی۔ (۲/۱۳۲)

ہوسکتا ہے کہ شامی اور یمنی دو ہوائیں چلیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی ایک علاقہ سے اس کا آغاز ہو۔ اور دوسرے تک پہونچ کر وہ ہوا پھیل جائے۔ (اشراط الساعة واسرارھا۔ شیخ محمد سلامہ جبر ص ۸۸۔۸۹)

۵۷ : بیت اللہ کو حلال سمجھ لینا اور خانہ کعبہ کو ڈھانا:

خانہ کعبہ کی حرمت کو مسلمان ہی پامال کریں گے۔ اسکی حرمت کی پامالی کے بعد انہیں تباہی و بربادی کا سامنا کرنا ہوگا۔ پھر حبشہ سے "ذو السویقتین" نامی ایک شخص نکلے گا جو خانہ کعبہ کو ویران کرے گا۔ اور اس کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑے گا اور اسکی آرائش و زیبائش کو چھین لے گا۔ اور اس کے غلاف کو اتار لے گا۔ یہ تباہی بالکل آخری زمانے میں اس وقت ہوگی جب روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی باقی نہ بچے گا اور خانہ کعبہ اس تباہی کے بعد دوبارہ معمور نہیں ہوگا۔ سعید بن سمعانؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا! "رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ایک شخص کے لئے بیعت کی جائے گی اور خانہ کعبہ کی حرمت کو مسلمان ہی حلال سمجھ لیں گے۔ پس جب وہ بیت اللہ کی حرمت کو پامال کریں گے تو عربوں پر ہلاکت و بربادی آجائے گی۔ پھر حبشی آئیں گے اور خانہ کعبہ کو اس طرح اجاڑیں گے کہ اس کے بعد وہ پھر کبھی آباد نہیں ہوسکے گا۔ یہی وہ لوگ ہونگے جو خانہ کعبہ کے خزانے کو نکالیں گے۔

(مسند احمد، ۱۵/۳۵، شیخ احمد شاکر)

علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ۲/۱۲۰: حدیث رقم (۵۷۹)

ابن کثیرؒ نے بھی اس کی سند کو قوی اور عمدہ قرار دیا ہے۔ (الفتن والملاحم، ۱/۱۵۶)

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرمؐ کو فرماتے ہوئے سنا: "چھوٹی پنڈلی والا حبشی خانہ کعبہ کو برباد کرے گا اور اس کے زیورات کو چھین لے گا اور اسکے کپڑوں اور غلاف کو اتار لے گا اور گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ (احمد ۱۲/۱۳، حدیث رقم، ۷۰۵۳ و صحیح بخاری کتاب الحج، باب ھدم الکعبہ، ۳/۳۲۰)

بخاری و احمد میں ہے، گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں، وہ کالے رنگ کا اور اسکی دونوں رانوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔ وہ بیت اللہ کے ایک ایک پتھر کو توڑ رہا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج، باب ھدم الکعبہ، ۳/۳۶۰)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "آخری زمانے میں "ذوالسویقتین" یعنی

ایک شخص خانہ کعبہ پر غلبہ پائے گا۔ اور میرا یہ گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ پھر وہ اسے ڈھا دے گا۔ (مسند احمد ۱۵ / ۷ / ۲۳)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :

کیا مذکورہ بالا حدیث اس ارشاد باری سے متعارض ہیں؟ "اولم یروا انا جعلنا حرما آمنا" کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے مامون حرم بنایا ہے"۔ (سورۃ العنکبوت / ۶۷)

نیز اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھی والوں کو روک دیا اور وہ کعبہ کو تباہ نہ کر سکے در انحالیکہ اس وقت کعبہ قبلہ بھی نہ تھا، تو مسلمانوں کا قبلہ ہو جانے کے بعد اہل حبشہ کو اس پر تسلط کیوں کر مل جائے گا؟

جواباً عرض ہے کہ خانہ کعبہ کی بربادی قیامت کے بالکل قریب اس وقت ہوگی جب روئے زمین پر کوئی بھی شخص اللہ اللہ کہنے والا باقی نہ بچے گا۔ چنانچہ وہ حرم مامون باقی رہے گا۔ جب تک کہ خود قبلہ والے اس کی حرمت کو پامال نہ کر دیں، نیز ایسا یہاں کوئی لفظ نہیں ہے جو امن وامان کے تا قیامت استمرار پر دلالت کر رہا ہو اور مکہ مکرمہ میں متعدد بار خوں ریزی اور جنگ ہو چکی ہے۔ خصوصاً چوتھی صدی میں تو قرامطہ نے حد کر دی تھی۔ ۳۱۷ھ میں انھوں نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا۔ خانہ کعبہ کے اندر اور باہر حاجیوں کی ایک بڑی تعداد کو انھوں نے قتل کیا خانہ کعبہ کے دروازے کو اکھاڑ دیا اور حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ جو ان کے پاس ۲۲ سال تک باقی رہا۔ (فضائح الباطنیہ غزالی ص ۱۲، ۱۳) القرامطہ وآراءہم الاعتقادیہ، ص ۲۲۲، ۲۲۳، حلیمۃ السلولی، البدایہ والنہایہ (۱۱/۱۶۰)

یہ واقعہ آیت کریمہ سے متعارض نہیں ہے کیونکہ یہ ان مسلمانوں کے ہاتھوں پیش آیا جو بظاہر مسلمان تھے۔ چنانچہ یہ حادثہ مسند احمد کی اس روایت کے مطابق پیش آیا کہ خانہ کعبہ کی حرمت کو حلال قبلہ والے ہی کریں گے۔ چنانچہ ایسا متعدد بار ہوا اور آخری زمانے میں اس کے تقدس کی پامالی اور اس کی تباہی پھر پیش آئے گی۔

مقالات

نماز کے بعد دعا کا حکم

ابو عازم عمر فلاحی

دعا کی اہمیت اور فضیلت :

دعا، عجز و انکساری، بندگی اور بے چارگی کے اظہار کی اکمل ترین شکل ہے۔ ہاتھ اٹھا کر بندہ اپنی مسکنت اور لاچارگی اور فقر و احتیاج کا اظہار کرتے ہوئے رب کائنات سے مدد اور استعانت طلب کرتا ہے۔ بندے کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ اسی لئے متعدد نصوص میں نبی اکرم ﷺ نے دعا کو عبادت کی روح قرار دیا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے "والدعاء مخ العبادۃ" "دعا عبادت کی جان ہے جبکہ دعا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔ ارشاد باری ہے!" وقال ربکم ادعونی استجب لکم إن الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین"۔ (سورۃ غافر: ۶۰)

اور تمہارے رب نے کہا تم مجھے پکارو میں تمہاری سنوں گا، بلاشبہ جو لوگ بڑے بنتے اور مجھ سے دعا کرنے سے اعراض کرتے ہیں وہ یقیناً ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔ مسند احمد میں ہے! "جو اللہ تعالیٰ کو نہ پکارے اور اس سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے" دعا اور دعاء میں الحاح و گریہ و زاری اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے: "ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء" (الشہاب) یقیناً اللہ تعالیٰ دعاء میں گریہ و زاری اور اصرار کرنے والوں سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر مناسب موقعہ سے دعاء مانگا کرتے تھے۔

نماز کے بعد دعاء کا حکم :

فرض نماز کے بعد انفرادی اور اجتماعی دونوں طور پر دعاء مانگنا جائز اور مشروع ہے۔ نبی اکرم ﷺ سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہتے۔ (صحیح بخاری فتح ج: ۲، ص: ۳۲۵)

تکبیر کے بعد قبلہ رخ بیٹھے بیٹھے آپ تین بار استغفار کرنے کے بعد خدا کی یوں حمد و ثنا بیان کرتے۔ "اللہم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام"۔

(مسلم ۵/۸۹)

پھر مقتدیوں کی جانب رخ پھیرتے ثمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ جب نماز سے فارغ ہوتے تو ہماری جانب رخ کرکے بیٹھ جاتے۔ (صحیح بخاری ج:۲، ص ۳۰۰۱)

اور پھر کبھی وعظ و نصیحت کرتے اور کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے۔ محمد بن یحیٰ اسلمی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن الزبیرؓ کو دیکھا انہوں نے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ایک شخص کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا! نبی اکرمؐ ہاتھ اٹھا کر اس وقت تک دعا نہ کرتے تھے جب تک کہ آپؐ نماز سے فارغ نہ ہو جاتے۔ (مجمع الزوائد ج:۱۰، ص:۱۶۹)

علامہ ھیثمی کہتے ہیں: "رجاله ثقات" اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ (ج۱۰/۱۶۹)

علامہ سیوطی اپنے مشہور رسالہ "فض الدعاء" میں لکھتے ہیں: "رجاله ثقات" دیکھئے (رسالة فی رفع الیدین فی الدعاء لمحمد بن عبد الرحمن الزبیدی: ۲۸۰)

اسکے راوی ثقہ ہیں۔ مشہور محدث علامہ محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری نے اس حدیث کے جملہ راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: تحفۃ الاحوذی، ج ۲ ص ۱۷۱)

تفسیر ابن کثیر میں ہے: عن ابی ہریرہ ان رسول اللہؐ رفع یدہ بعد ما سلّم وھو مستقبل القبلة ، فقال : اللھم خلّص الولید بن الولید و عیاش بن ربیعه و سلمة بن ھشام ضعفة المسلمین الذین لا یستطیعون حیلة و لا یھتدون سبیلا" (۳۰/ ۱۷۲)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھے بیٹھے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی۔ "اے خدا تو ولید بن الولید، عیاش بن ابی ربیعہ، مسلمہ بن ہشام اور ان کمزور مسلمانوں کو جو مکہ سے ہجرت کرنے کی کوئی راہ اور استطاعت نہیں رکھتے، انہیں کافروں کے ظلم و ستم سے چھٹکارا عطا فرما"۔

یہ حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہیں البتہ اس حدیث کا "صحیح" میں شاہد موجود ہے۔ لہذا یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر حسن لغیرہ قرار پائے گی۔

فرض نمازوں کے بعد کا وقت دعاؤں کے قبول ہونے کا وقت ہے۔

ابو عمامہؓ کی روایت: ابو عمامہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ سے پوچھا گیا کون سی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا، وہ دعا جو رات کے آخری پہر مانگی جائے اور وہ دعائیں جو فرض نمازوں کے بعد مانگی جائیں"۔ (سنن الترمذی)

جعفر الصادق کی روایت: امام طبرانی جعفر الصادق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا! "فرض نماز کے بعد کی دعا، نفل نماز کے بعد کی دعا کے مقابلے میں ویسے ہی فضیلت رکھتی ہے جیسے نفل نماز پر فرض نماز کو فضیلت حاصل ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۲/ ۱۶۹)

نماز سے فراغت کے بعد نبی اکرم ﷺ سے منقول دعائیں۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ سے متعدد دعائیں صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔ چند احادیث ھدیہ قارئین کی جارہی ہیں

۱۔ ان رسول ﷺ کان یقول اذا قضی الصلوۃ: لااله الا الله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد وھو علی کل شئ قدیر ، اللھم لا مانع لما أعطیت و لا معطی لما منعت ولاینفع ذوالجدمنك الجد"۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات، باب الدعاء، باب الصلوۃ، ج۱۱/ ۱۳۷)

نبی اکرمؐ نماز سے فراغت کے بعد ان کلمات کو ادا کرتے۔

ایک خدائے واحد کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے اقتدار اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے خدا! اس فضل کو کوئی روکنے والا نہیں جسے تو عطا کرے اور اس شئ کو کوئی دینے والا نہیں جسے تو نہ دے اور کسی مال والے کا مال اسے تیرے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

۲: کتب المغیرۃ الی معاویہ ان رسول ﷺ کان اذا فرغ من الصلوۃ و سلّم قال؛

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد وهو على كل شئ قدير ، اللهم لا مانع لما اعطيت و لا معطى لما منعت ولا ينفع ذالجد منك الجد" ۔ (مسلم ، حديث رقم ، ۵۹۳)

مغیرہ بن شعبہؓ نے معاویہؓ کے پاس لکھا کہ نبی اکرمؐ جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیر لیتے تو یہ ثنا پڑھتے۔ "لا الہ الا اللہ وحدہ .... الخ"

۳ : كان ابن الزبير يقول فى دبر كل صلوة حين يسلم: لا اله الا الله وحده لا شريك له ، له الملك و له الحمد و هو على كل شئ قدير ، لا حول و لا قوة الا بالله لا اله و لا نعبد الا اياه له النعمة و له الفضل و له الثناء الحسن ، لا اله الا الله مخلصين له الدين و لو كره الكافرون. و قال كان رسول الله يهلل بهن دبر كل صلوة " ۔ (صحيح مسلم ، حديث رقم: ۵۹۴)

عبداللہ بن زبیرؓ ہر نماز کے بعد سلام پھیرتے ہی یہ دعا مانگتے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شئ قدیر .... الخ۔ اور فرماتے کہ آپ ﷺ ہر نماز کے بعد مذکورہ بالا کلمات کو دہراتے تھے۔

۴ : عند البراء انه ﷺ كان يقول بعد الصلوٰة ، رب قنى عذابك يوم تبعث عبادك. (صحیح مسلم کذا فی الجلیل ۲/ ۲۰۵)

براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اے میرے رب تو مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن ، جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

۵ : کعبؓ یوں قسم کھا کر اس روایت کو بیان کرتے ؛ اس ذات باری کی قسم جس نے موسیٰ کے لئے سمندر کو پھاڑا، ہم اپنی کتابوں میں یہ مسئلہ پاتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا مانگتے۔

اللهم اصلح لى دينى الذى جعلته عصمة أمرى و اصلح دنيا ى التى جعلت فيها معاشى اللهم انى اعوذ برضاك من سخطك واعوذ تم ذكر كلمة معنا ها بعفوك من نقمتك و أعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت و لا معطى لما

منعت و لا ينفع ذالجد منك الجد" ۔

کعبؓ کہتے ہیں کہ ان سے صہیبؓ نے بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ ان کلمات کو اپنی نماز سے فراغت کے بعد ادا کرتے تھے۔ (عمل الیوم واللیلۃ امام نسائی حدیث رقم/ ۱۳۷)

ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے موارد حدیث رقم ۵۴۱) اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (نتائج الافکار / ۱۶۳)

۶ : عن عليؓ قال كان رسول ﷺ اذا سلم من الصلوة قال : اللهم اغفرلى ما قدمت وما أخرت وما أسررت و اعلنت وما أنت اعلم به منى أنت المقدم وأنت الموخر (سنن ابى داؤد و سنن الترمذى)

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے (الجلیل ۲/ ۲۰۵)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگتے ؛ "اے خدا میری اگلی اور پچھلی غلطیوں کو معاف فرما، میری پوشیدہ اور کھلی غلطیوں کو معاف فرما میری ان غلطیوں کو معاف فرما جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ کیونکہ تو ہی اول و آخر ہے۔

۷ : عن ابى هريرة قال قلنا لا بى سعيد هل حفظت عن رسول ﷺ شيئاً كان يقول بعد ما سلم قال : نعم ، كان يقول : "سبحان ربك رب العزت عما يصفون و سلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين " ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ابو سعیدؓ سے پوچھا کیا آپ کو کوئی ذکر یاد ہے جو آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا ہاں آپ ﷺ یہ دعا کرتے تھے۔ عزت و اقتدار کا مالک تیرا رب ، ان تمام عیوب سے پاک ہے جو یہ بیان کر رہے ہیں اور سلامتی ہو پیغمبروں پر اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہے جو پوری کائنات کا پروردگار ہے (اس حدیث کی روایت ابو یعلیٰ کی ہے اور اس کے جملہ راوی معتبر ہیں۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ۲/ ۱۴۸)

۸ : حدیث ابی موسیٰ الاشعری : انہ کان یدعو بہذا الدعاء : " رب اغفرلى خطيئتى و جهلى و اسرافى فى امرى كله و ما أنت أعلم به منى اللهم اغفرلى خطاياى و

عندی و جہلی و جدی و کل ذلک عندی، اللہم اغفرلی ماقدمت و مااخرت و اسررت وما اعلنت ان المقدم و أنت الموخر و أنت علی کل شئ قدیر"۔ (صحیح بخاری مع الفتح، کتاب الدعوات، حدیث رقم: ۶۳۹۸، ج: ۱۱، ص ۲۰۰)

ابو موسیٰ الاشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔ "اے میرے پروردگار تو میری غلطیوں کو معاف فرما اور جملہ امور میں جہالت و نادانی و اسراف کو معاف فرما، اور ان جملہ غلطیوں کو معاف فرما جنہیں تو زیادہ جانتا ہے، اے اللہ میری غلطیوں کو معاف فرما، خواہ میں نے دانستہ کی ہوں یا نا واقفیت کی بناء پر کیونکہ یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اے اللہ تو میری اگلی اور پچھلی خطاؤں کو معاف فرما ان خطاؤں کو بھی معاف فرما جنہیں میں نے علانیہ انجام دیا ہے اور انھیں بھی جنہیں میں نے خفیہ طور پر کیا ہے۔ تو اول اور آخر اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اس حدیث کی روایت امام بخاری نے کی ہے۔

آپ ﷺ یہ دعا کب مانگتے تھے اس سلسلے میں صحیح مسلم میں یہ دو روایتیں وارد ہیں

(۱) ثم یکون من آخر مایقول بین التشہد و السلام " پھر تشہد اور سلام کے درمیان آپ کی آخری دعا یہ ہوتی

(۲) "واذا سلم قال :اللھم اغفرلی.............. جب آپ سلام پھیرتے تو یہ دعا مانگتے۔

صحیح ابن حبان میں یہ صراحت موجود ہے۔ "کان اذا فرغ من الصلوۃ و سلم۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیر دیتے تو یہ دعا مانگتے، ان روایتوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کبھی سلام کے پہلے اور کبھی سلام کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ (فتح الباری، ۱۱/۲۰۱)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: "ولعلہ کان یقولہ فی الموضعین" شاید آپؐ یہ دعا سلام سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں مانگا کرتے تھے۔ (زاد المعاد، ج: ۱، ص: ۲۹۷)

ایک نکتہ :

قرآن مجید میں متعدد دعائیں منقول ہیں۔ جنہیں رکوع اور سجدے کی حالت میں مانگنا ازروئے حدیث ممنوع ہے۔ موطا امام مالک میں ہے "ان رسول ﷺ نہی عن لبس

القسی و المصفر و عن تختم الذہب و عن قراءۃ القرآن فی الرکوع و السجود"۔ (ج: ۱، ص: ۲۲۵)

نبی اکرمؐ نے مقام قس کے بنے ہوئے کپڑوں، زعفران لگے ہوئے کپڑوں، سونے کی انگوٹھی، رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن کی تلاوت سے منع فرمایا ہے۔

رکوع اور سجدے کی حالت چونکہ غایت درجہ ذلت و بے چارگی کے اظہار کی حالت ہوتی ہے اس لئے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے بلند و ارفع کلام کو پڑھنا موزوں نہیں۔

ظاہر ہے اگر یہ قرآنی دعائیں فرض نمازوں کے بعد نہ مانگی جائیں تو پھر انہیں کب مانگا جائے اور کیا عوام الناس ان دعاؤں کو انفرادی طور پر مانگنے کا التزام و اہتمام کر سکیں گے۔ بلکہ موجودہ زمانے میں تو اس کا تصور بھی محال ہے لہذا فرض نمازوں کے بعد، دولپہ ہی اگر عوام الناس ان قرآنی دعاؤں میں شریک ہو جائیں تو شاید ان کا نصیب جاگ اٹھے۔

دبر الصلوۃ والی احادیث :

مذکورہ بالا صریح ترین احادیث کے علاوہ متعدد ایسی دعائیں بھی آپؐ سے ثابت ہیں جنہیں "دبر الصلوۃ" یعنی "نمازوں کے بعد" پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ بعض علماء "دبر الصلوۃ" کا ترجمہ "نماز کے آخر" سے کرتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک یہ دعائیں تشہد کے بعد سلام سے پہلے مانگی جائیں گی۔ اس قبیل کی چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

۱: عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ ﷺ اخذ بیدہ و قال! "یا معاذ واللہ انی لاحبک واللہ انی لاحبک" فقال! اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوۃ تقول"۔

"اللھم اعنی علی ذکر ک و شکرک و حسن عبادتک"۔ (ابوداؤد ۲/۱۸۰، سنن نسائی ۳/ص ۵۳، ابن السنی، حدیث رقم: ۱۱۶،) حاکم علامہ ذہبی اور دیگر محققین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے دیکھئے! "صحیح المسند من اذکار الیوم واللیلۃ: ۸۳) والمنتقی من کتاب الترغیب، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص ۳۶۷، حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور دوبار فرمایا! معاذ خدا مجھے تم سے محبت ہے تو تم ہر نماز کے بعد لازماً یہ دعا مانگ لیا کرو۔ "اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک" خدایا!

میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر و شکر بجا لا سکوں اور تیری عمدہ انداز سے عبادت کر سکوں۔

۲: عن المغیرہ بن شعبہ ان النبی ؐ کان یقول فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لا الٰہ الا الله وحدہٗ لا شریک لہٗ له الملك و له الحمد و هو علی کل شئ قدیر ، اللهم لا مانع لما اعطیت و لا یعطی لما منعت و لا ینفع ذالجد منك الجد" متفق علیه .

مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ ہر نماز کے بعد یہ ثنا پڑھتے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک..................الخ۔

۳: ان رسول الله ﷺ کان یتعوذ بھن دبر الصلوٰۃ ! " اللهم اعوذ بك من البخل و اعوذ بك من الجبن و اعوذ بك أن ارد إلی ارذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنیا و اعوذبك من عذاب القبر" (بخاری و ترمذی شریف)

نبی اکرمؐ نماز کے بعد یہ تعوذ پڑھتے اے خدا میں بخل و کاہلی اور بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ عمر کی گھٹیا ترین حالت میں لوٹا دیا جاؤں اور دنیا کے فتنے نیز عذاب قبر سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

۴: حدیث ابی بکرہؓ:

حدثنا مسلم یعنی ابن ابی بکرۃ أنه سمع والدہ یقول فی دبر الصلوۃ ! " اللهم إنی اعوذبك من الکفر والفقر و عذاب القبر فجعلت أدعو بھن فقال یا بنی آنی علمت ھولاء الکلمات " قلت یا أبتِ سمعتك تدعو بھن فی دبر الصلوۃ فأخذتھن عنك قال ! فالز بھن یا بنی فان نبی الله ﷺ کان یدعو بھنّ فی دبر الصلوٰۃ " ۔ (عمل الیوم و اللیلة ، ابن السنی ، حدیث رقم: ۱۰۹) (صحیح المسند من اذکار الیوم واللیلۃ : ۸۳)

ابو بکرہؓ اپنے والد کو نماز کے بعد یہ دعا مانگتے ہوئے سنا "اللهم انی اعوذبك من الکفر و الفکر و عذاب القبر" اے خدا میں کفر، غریبی اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں ابو بکرہؓ کہتے ہیں پھر میں بھی یہ دعا مانگنے لگا میرے والد نے پوچھا بیٹے یہ دعاء کہاں سے سیکھی ہے۔ میں نے کہا ابو جان، میں نے آپ کو نماز کے بعد یہ دعاء مانگتے ہوئے سنا تو اسے یاد کر لیا اس پر انھوں نے فرمایا! اے جان پدر! ان کلمات

کو نماز کے بعد لازماً پڑھا کرو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نماز کے بعد یہی دعا مانگا کرتے تھے۔

۵: عن زید بن ارقم قال سمعت رسول ﷺ یدعو فی دبر الصلوۃ یقول اللهم ربنا ورب کل شئ أنا شهید انك الرب وحدك لاشریك لك ، اللهم ربنا ورب کل شئی أنا شهید انّ العباد کلهم اخوۃ اللهم ربنا و رب کل شئ اجعلنی مخلصا لك و اهلی فی کل ساعته فی الدنیا و الآخرۃ ذوالجلال و الاکرام اسمع و استجب ، الله اکبر الله اکبر الله نورالسماوات والارض الله الاکبر حسبی الله ونعم الوکیل الله الاکبر الله الاکبر. عمل الیوم واللیله. (حدیث رقم ۱۰۲ص ۸۴) حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو اس کے شواہد کی بناء پر حسن قرار دیا ہے۔

زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے بعد یہ دعاء مانگتے تھے: "اللهم ربنا و رب کل شئی انا شهید .....الخ"

۶: علیؓ نماز کے آخر میں یہ دعا مانگتے اے خدا تیرا نور مکمل ہے جبھی تو تو سب کی رہنمائی فرماتا ہے لہذا تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تیری بردباری عظیم ہے اسی لئے تو معاف فرماتا ہے لہذا تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔ میں نے ہاتھ پھیلایا تو تو نے عنایت فرمایا لہذا تعریفوں کا مستحق تو ہی ہے۔ اے ہمارے رب تیرا چہرہ سب سے مکرم ہے تیری جاہ سب سے بلند ہے، تیری نوازشیں سب سے زیادہ نفع آور ہیں۔ ہمارے رب کی اطاعت کی جاتی ہے تو وہ قدر کرتا ہے اور ہمارے رب کی نافرمانی کی جاتی ہے تو اے خدا تو معاف فرما دیتا ہے مجبوروں کی آہوں کو سنتا ہے، مصیبتوں کو ٹالتا ہے، بیماروں کو شفا دیتا ہے اور لوگوں کو غموں سے چھٹکارا دلاتا ہے۔

تیری نعمتوں کا کوئی شخص بدلہ دے ہی نہیں سکتا، تیری نعمتوں کو کوئی گن ہی نہیں سکتا۔

کتاب الدعاء طبرانی حدیث رقم: (۷۴۳) اسکی سند حسن ہے۔ (ج ۲ ص ۱۱۳۷)

مذکورہ بالا احادیث میں بعض علماء "دبر الصلوۃ" کا ترجمہ نماز کے آخر سے کرتے ہیں کیونکہ دبر کے ایک معنی کسی چیز کے آخر کے آتے ہیں۔ محمد بن یعقوب فیروز آبادی کہتے ہیں: ہر چیز کا دبر اس کا پچھلا حصہ ہوتا ہے، جیسے دبر الشہر وادبار الشہر کے معنی ہوتے ہیں، مہینے کے آخر میں آیا۔

لسان العرب میں ہے : الدُّبُرُ و الدُّبْرُ نقیض القبل و دبر کل شئ عقبه و مؤخره و جمعها ادبار

دُبُرْ اور دُبْر قُبُل کا مقابل یا اس کا نقیض ہے ہر چیز کا دبر اس کا پچھلا ہوتا ہے۔ ان دونوں کی جمع ادبار آتی ہے۔

اہل لغت کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "دبر الصلوٰۃ" کے اصل معنی "نماز کے بعد" نہیں ہوں گے، ہو سکتا ہے کہ کہیں مجازاً اور توسعاً یہ لفظ بعد کے معنی میں بھی استعمال ہو جائے مگر اسکے اصل معنی نہیں ہوں گے "دبر الصلوٰۃ" کے اصل معنی ہوں گے نماز کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ وقت تشہد کا بھی ہو سکتا ہے اور سجدے کی حالت بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ (فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا مسئلہ، ص: ۲۹-۳۰، زندگی، جون ۱۹۷۸ء)

لفظ دبر کی مذکورہ لغوی تحقیق ایک جزوی تحقیق ہے۔ قاموس، مصباح، مختار الصحاح، المغرب، مفردات امام راغب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "قبل اور دبر" ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں جس طرح قبل کے اصلی معنی "مقدم" آگے کے ہیں، اسی طرح دبر کے اصلی معنی "مؤخر" پیچھے کے ہیں اس معنی کے لحاظ سے جسم کے آگے کے حصے کو قبل اور پیچھے کے حصے کو دبر کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے اس لفظ کے معنی آخر اور بعد دونوں صحیح ہیں۔ مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اسکے آقا نے اپنی موت کے بعد آزاد کر دیا ہو۔ المغرب میں ہے: "التدبیر الاعتاق عن دبر و هو ما بعد الموت۔ قاموس میں ہے والتدبیر عتق العبد عن دبر۔ مصباح المنیر میں ہے : الدبر خلاف القبل من کل شئ و منه دبر الرجل عبده تدبیرا إذا اعتقه بعد موته۔ مختار الصحاح میں ہے یقال فلان یأتی الصلوٰۃ دبرا بالکسر ای بعد ما ذهب الوقت۔ کسی شئ کے آخری حصے پر "دبر" کا اطلاق ہوتا ہے وہ اس شئ کے اگلے حصے کے بعد ہوتا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں بھی اس لفظ کو "بعد" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ سورہ ق میں ہے : وادبار السجود، اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ کیا ہے اور فرض نمازوں کے بعد بھی۔ ادبار السجود تسبیح کا جو حکم دیا گیا ہے عام طور پر اکثر مفسرین نے اسکی تفسیر فرض نمازوں کے بعد نوافل ہی سے کی ہے بعض صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ اسکے نزدیک ادبار السجود سے مراد نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں اور

سورہ طور میں ادبار النجوم سے مراد نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں ادبار دبر کی جمع ہے۔ (مولانا عروج قادری : زندگی نو، جون ۱۹۷۸ء، ص: ۴۹-۵۰)

میرے نزدیک مذکورہ احادیث میں دبر کا یہی معنی مراد ہے کیونکہ!

۱: "دبر الصلوٰۃ" کی تشریح خود احادیث میں "حین یسلم" "سلام پھیرتے ہی" سے کی گئی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے : "کان ابن الزبیر یقول فی دبر کل صلوٰۃ حین یسلم"۔ عبداللہ ابن الزبیرؓ ہر نماز کے بعد سلام پھیرتے ہی یہ دعا کرتے۔ دیکھئے یہاں "دبر الصلوٰۃ" کی تشریح "حین یسلم" سے کی گئی ہے۔ مسلم شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے : "کان رسول الله ﷺ یقول اذا سلم فی دبر الصلوٰۃ" آپ ﷺ نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ دعا کرتے۔

۲: جن احادیث میں نماز کے بعد تسبیح و تحمید بیان کرنے کا تذکرہ ہے ان میں ان تسبیحات کو ادا کرنے کا وقت "دبر الصلوٰۃ" بیان کیا گیا ہے۔ اور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ اوراد و اذکار سلام پھیرنے کے بعد ادا کئے جائیں گے۔

دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۴۵)۔ اسی طرح دعا بھی نماز کے بعد مانگی جائے گی الا آنکہ کسی دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ نماز کے بعد دعا مانگنا جائز نہیں۔

عقلی دلیل : نماز کے بعد جب سارے لوگ مل کر اجتماعی طور پر دعا مانگتے ہیں تو اسکی قبولیت کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں اتنے سارے لوگوں میں کوئی بندہ صالح مستجاب الدعوات ہو اور اسی کے طفیل میں اوروں کی دعائیں بھی قبول ہو جائیں۔ پھر جب سارے لوگ مل کر ہاتھوں کو اٹھا کر خدا کو پکاریں گے تو اسکی رحمت کو زیادہ جوش آئے گا اور وہ انہیں نامراد نہ لوٹائے گا۔

دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا:

اوپر متعدد حدیثوں میں آپؐ سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت اور جواز موجود ہے۔ بلکہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔ انفرادی طور سے دعا مانگی جائے یا اجتماعی طور پر دونوں صورتوں میں یہ بات ادب میں داخل ہوگی کہ ہاتھ اٹھایا جائے۔

عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہاتھ اٹھا کر اتنی دیر تک دعا مانگتے رہتے تھے کہ میں انہیں دیر تک اٹھا ہوا دیکھ کر اکتا جایا کرتی تھی۔ اس حدیث کی روایت امام احمد نے تین سندوں سے کی ہے اور تینوں سندوں کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد، ۱۰/۱۶۸)

طبرانی میں ہے: " قال رسول الله ﷺ ما رفع قوم أكفهم إلى الله عز وجل يسألونه شيا إلا كان حقا على الله ان يضع في ايديهم الذى سألوا"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "کسی بھی جماعت نے اللہ کے جانب اپنی ہتھیلیوں کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہ مانگی مگر اللہ کے ذمہ یہ بات واجب ہو گئی کہ وہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھ دے جس کا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔

(اس حدیث کے جملہ راوی صحیحین کے راوی ہیں، دیکھئے مجمع الزوائد ۱۰/۱۶۹)

دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا متواتر روایت سے ثابت ہے۔

(دیکھئے تدریب الراوی: جلد ۲/۱۸۰)

سلمانؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ باحیا اور فیاض ہے اور وہ اس بات سے شرم محسوس کرتا ہے کہ بندہ ہاتھ اٹھا کر اس سے دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ انکے دونوں ہاتھوں کو نامراد لوٹائے۔ (المستدرک رحاکم، ج: ۱، ص: ۴۹۷)

امام حاکم نے اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے اسکی موافقت کی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں! "سندہ جید" اسکی سند عمدہ ہے۔ فتح الباری ۱۱/۱۴۷) علامہ ترمذی نے بھی اسکی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

اجتماعی دعا کے وقت آمین کہنا:

اجتماعی دعا کے وقت آمین کہنا مستحب اور پسندیدہ ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں!

"ماحسد تكم اليهود على شئ ما حسدتكم على السلام و التامين"

(ابن ماجہ۔ علامہ ابن خزیمہ نے اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

یہودی تم پر کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا حسد وہ جلن انہیں تمارے سلام کرنے اور آمین کہنے پر ہوتا ہے۔

حبیب ابن مسلمہ الفہری کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر وہ جماعت جسمیں کوئی دعا کر رہا ہو اور بعض لوگ آمین کہہ رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ انکی دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں"۔ فتح الباری ۱۱، ص: ۲۰۲)

نماز فجر و مغرب کی مخصوص دعا:

عن عبدالرحمن بن حسان الكنانى ان مسلم بن الحارث التميمى حدثه عن ابيه قال، قال رسول الله ﷺ اذا صليت الصبح فقل قبل أن تكلم احدا من الناس: اللهم اجرني من النار سبع مرات فانك ان مت من يومك ذلك كتب الله عز وجل لك جوارا من النار واذا صليت المغرب فقل قبل ان تكلم احدا من الناس، اللهم إني اسئلك الجنة، اللهم اجرني من النار سبع مرات فانك ان مت من ليلتك تلك، كتب الله عز و جل لك جوارا من النار" (الفتح الربانی ۴/۵۲)

مسلم ابن الحارثؓ روایت کرتے ہیں کہ انکے والد حارثؓ نے فرمایا کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا! جب تم صبح کی نماز پڑھ لو تو کسی سے گفتگو کرنے سے پہلے سات بار یہ دعا مانگو اے خدا مجھے جہنم کی آگ سے نجات دے۔

یہ دعا مانگنے کی صورت میں اگر اسی دن تمہارا انتقال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں آگ سے محفوظ رکھیں گے اور مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد کسی سے گفتگو کرنے سے پہلے یہ دعا مانگو، اے خدا! میں تجھ سے جنت کا خواستگار ہوں اور اے خدا تو مجھے آگ سے بچا اگر اس رات آپکا انتقال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں آگ سے محفوظ رکھیں گے۔

مشہور محدث احمد بن عبدالرحمن البنا نے اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے، الفتح الربانی ۴/۵۷)

مغرب بعد کی مخصوص دعاء:

محمد بن شعیبؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے مغرب کی نماز کے فوراً بعد دس مرتبہ لااله الا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد يحي و يميت وهو على كل شي قدير کا ورد کیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے فرشتوں کو بھیجتے ہیں جو صبح تک اس

شخص کی شیطان سے حفاظت کرتے ہیں اور اس کے حق میں دس عظیم نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس بڑی برائیاں اس کی مٹادی جاتی ہیں اور ان کا ثواب دس مومن غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ملتا ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ حدیث رقم/ ۵۷۷)

(ڈاکٹر فاروق حمادہ نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے ص ۳۸۰۵)

فجر نماز کے بعد کی مخصوص دعا:

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ صبح کی نماز کے بعد یہ دعا مانگتے: "اللھم انی أسالك علما نافعاو رزقاطیبا و عملا متقبلا"

اس حدیث کی روایت احمد اور ابن ماجہ نے کی ہے۔ (نیل الاوطار ۲/ ۳۰۴) اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں سوائے ام سلمہؓ کے غلام کے جو مجہول ہیں۔ علامہ تھانوی کہتے ہیں ابتدائی تین صدیوں میں جہالت ہمارے نزدیک مضر نہیں۔ (علاء السنن ۳/ ۱۹۷) لیکن موصوف کی یہ رائے درست نہیں۔

فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنے کی ایک ضعیف حدیث:

۱: **حدیث انسؓ**: انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بھی بندہ ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ کو پھیلا کر اگر یوں دعا مانگے اے میرے معبود، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے معبود، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا کو قبول فرما کیونکہ میں مجبور ہوں، میرے دین کی حفاظت فرما کیونکہ میں فتنہ و آزمائش کا شکار ہوتا رہتا ہوں، تو مجھے اپنی رحمتوں سے ڈھانک لے کیونکہ میں گنہگار ہوں، فقر و فاقہ کو دور فرما کیونکہ میں مسکین اور محتاج ہوں، تو اللہ پر یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے دونوں ہاتھوں نامراد نہ لوٹائے۔ (عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی)

یہ حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کے ایک راوی "عبدالعزیز بن عبدالرحمن" ضعیف راوی ہیں۔ (لسان المیزان، جلد: ۴، ص: ۱۰۳)

لیکن اس حدیث کا پہلا اور آخری جملہ دوسرے صحیح طرق سے ثابت ہے۔ (دیکھئے

مجمع الزوائد، جلد: ۱۰، ص: ۱۶۹)

نیز اس حدیث کو مزید تقویت اس حدیث سے پہنچتی ہے جسے حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود العامری کے واسطے سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا! "میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی جب آپؐ نے سلام پھیرا تو آپؐ نے دعا مانگی۔

ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ اگر ایک ہی مفہوم کی متعدد ضعیف حدیثیں ہوں اور ضعف کا سبب کذب و افتراء نہ ہو تو تعدد و طرق سے اسے یک گونہ اعتبار حاصل ہوگا اور وہ حدیث حسن لغیرہ کہلائے گی۔ اور کسی مضمون کی تائید اور شہادت کے لئے اس کا تذکرہ جائز ہوگا۔ (دیکھئے اعلاء السنن ۳/ ۲۰۱)

سلف صالحین کا مسلک:

امام بخاریؒ کا مسلک: امام بخاریؒ نماز کے بعد دعا مانگنے کے قائل تھے۔ جس کا واضح ثبوت امام بخاریؒ کا بخاری شریف میں اس باب کی تبویب ہے "باب الدعاء بعد الصلاۃ" "نماز کے بعد دعاء مانگنے کا باب" اس باب کی تبویب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک نماز کے بعد دعاء مانگنا مشروع و جائز تھا۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۱/ ۱۵۵)

علامہ جلال الدین سیوطی کی رائے: علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "فض الدعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء" نماز کے بعد دعاء کو مشروع و جائز قرار دیا ہے اور اسکے دلائل فراہم کئے ہیں۔

علامہ محمد بن عبدالرحمن الزبیدی الیمانی کا مسلک: آپ کے نزدیک بھی نماز کے بعد دعاء مانگنا جائز و مستحب ہے۔ جسکی واضح دلیل آپ کا رسالہ "رسالۃ فی رفع الیدین فی الدعاء" ہے۔

حافظ ابن حجر کا مسلک: حافظ ابن حجرؒ نماز کے بعد دعا کے جواز و استحباب کے قائل تھے آپ نے فتح الباری میں دعاء کے منکرین اور خصوصاً علامہ ابن القیم کے دلائل کا تفصیلی محاکمہ کیا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۱/ ۱۵۵۔۱۵۶)

صاحب تحفۃ الاحوذی کا فتویٰ: "قلت: القول الراجح عندی ان رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ جائز لو فعلہ احد لا باس علیہ ان شاء اللہ تعالیٰ"۔ (ج: ۲، ص: ۱۷۳)

میں کہتا ہوں میرے نزدیک مسئلہ مذکورہ میں راجح رائے یہ ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز و درست ہے اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

علامہ نووی کا مسلک : علامہ نووی کہتے ہیں نماز کے بعد دعا اور ذکر امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے بالاتفاق مستحب ہے۔ (الفتح الربانی ۴/۵۶)

محدث احمد بن عبد الرحمن البنا: نماز کے بعد دعا اور ذکر جمہور کے نزدیک مستحب و پسندیدہ ہے۔ (الفتح الربانی ۴/۵۶)

شبہات کا ازالہ : نماز کے بعد دعا کو غیر مشروع اور بدعت کہنے والوں کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱: عن عائشہ رضی کان النبی ﷺ اذا سلم لا یقعد الا قدر ما یقول: اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔

عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرمؐ جب سلام پھیرتے تو وہاں اس دعاء "اللھم انت السلام .... الخ" پڑھنے کے بقدر ہی بیٹھتے۔

لا یقعد سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی آپ ایسا کرتے تھے کیونکہ سلام پھیرنے کے بعد اس سے زیادہ دیر تک بیٹھنا آپؐ سے متعدد صحیح سندوں سے ثابت ہے۔ یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تشہد کی ہیئت اور کیفیت میں قبلہ رخ آپ ﷺ مذکورہ دعا پڑھنے کے بقدر ہی بیٹھتے تھے پھر دائیں یا بائیں متوجہ ہوتے اور مقتدیوں کی جانب رخ کرکے بیٹھ جاتے جیسا کہ بخاری میں صراحۃ موجود ہے! "کان اذا صلی اقبل علی اصحابہ"۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۱/۱۵۲ و منۃ المنعم، ج:۱، ۳۷۵)

۲: عن انس انہ قال: "صلیت خلف النبی وکان اذا سلم یقوم، وصلیت خلف ابی بکر فکان اذا سلم وثب کانہ علی رضفۃ" میں نے نبیؐ کے پیچھے نماز پڑھی ہے آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد ہی اٹھ جاتے۔ حضرت ابوبکر کے پیچھے بھی نماز پڑھی وہ سلام پھیر کر اتنی تیزی سے اٹھ جاتے جیسے وہ کسی گرم پتھر پر بیٹھے رہے ہوں۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اسکے ایک راوی عبداللہ ابن فروخ المصری ہیں جن کے بارے میں ابراہیم الجوزجانی فرماتے ہیں احادیث مناکیر، انکی حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں! معروف و منکر دونوں طرح کی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔
علامہ خطیبؒ فرماتے ہیں! "فی حدیثہ نکرۃ" انکی حدیث میں نکارت پائی جاتی ہے۔ علامہ ابن حبان نے انہیں اگرچہ ثقہ قرار دیا ہے لیکن خود لکھا ہے کہ یہ کبھی کبھی ثقہ راویوں کی مخالفت بھی کرجاتے ہیں۔ (دیکھئے، تہذیب التھذیب ۵/۳۵۶)۔

نیز یہ حدیث متعدد صحیح احادیث سے بھی متعارض ہے جن میں نماز کے بعد مختلف اوراد اور دعاؤں کے مانگنے نیز تسبیح و تحمید بیان کرنے کا تذکرہ آیا ہے۔ لہذا تعارض کی صورت میں متعدد روایات کو ترجیح حاصل ہوگی۔

۳: نماز کے بعد آپؐ سے جو دعائیں منقول ہیں ان سب میں آپؐ نے واحد کی ضمیر اور واحد کے صیغے استعمال کئے ہیں گویا وہ دعائیں آپ نے خاص اپنے لئے مانگی ہیں سب کے لئے نہیں مانگی ہیں۔ وہ خالص انفرادی دعائیں ہیں جن کے اندر کہیں سے اجتماعیت کا رنگ نہیں آنے پایا ہے۔ اگر آپؐ بحیثیت امام کے وہ دعائیں مانگتے تو ان دعاؤں میں سب کو شریک کرتے یعنی واحد کے بجائے جمع کی ضمیریں اور جمع کے صیغے استعمال کرتے۔ اس طرح ان احادیث سے نماز کے بعد اجتماعی دعا پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔

"کتاب الاعتصام شاطبی"

مذکورہ بالا دعویٰ مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ متعدد دعاؤں میں آپؐ نے جمع کا صیغہ بھی استعمال کیا ہے۔ ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

عبداللہ بن الزبیر کی وہ روایت جسکی تخریج مسلم نے کی ہے اسمیں "جمع" کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ " لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر ، و لا حول و لا قوۃ الا باللہ ، لا الہ الا اللہ وحدہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔
(دیکھئے، اسمیں "نعبد اور مخلصین" دونوں جمع کے صیغے ہیں۔

نیز واضح رہے کہ امام وکیل کی حیثیت سے اللہ سے دعا کرتا ہے۔ گرچہ وہ واحد کی ضمیر استعمال کرتا ہے لیکن مراد سب کی نیابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کے اندر بھی

اکرم ﷺ جو دعائیں مانگتے تھے ان میں بھی واحد کی ضمیر ہی آپؐ استعمال فرماتے تھے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

۱: " اللھم باعد بینی و بین خطایای " اے خدا مجھے اور میری غلطیوں کے درمیان دوری عطا فرما" یہ دعا آپؐ نماز کے اندر تکبیر تحریمہ کے بعد مانگتے تھے۔ دیکھئے اسمیں بھی واحد ہی کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

۲: " اللھم طہرنی بالثلج والبرد " (صحیح مسلم، حدیث رقم: ۴۷۶) یہ دعا آپؐ ثناء کے بعد مانگتے تھے، اسمیں واحد ہی کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

۳: رکوع اور سجدے میں عموماً یہ دعا مانگتے تھے! "سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی" دیکھئے یہاں بھی واحد کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ (بخاری ۲/ ۲۳۳، و مسلم، حدیث رقم: ۴۸۴)

۴: " اللھم اغفرلی " (فتح الباری ۱۱/ ۱۳۶)

آپؐ سے نماز کے اندر جتنی بھی صحیح دعائیں منقول ہیں ان سب میں واحد کا ہی صیغہ آیا ہے۔

علامہ ابن القیم کہتے ہیں!" والمحفوظ فی الادعیۃ فی الصلوۃ کلھا بلفظ الافراد " زاد المعاد، ج: ۱، ص: ۲۶۳)

نماز کے اندر آپ کی جملہ دعاؤں میں واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

علامہ ابن القیم کا دعا کے سلسلے میں موقف : رہا سلام کے بعد قبلہ رو ہو کر یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے دعا مانگنا تو یہ نبی کریم کا طریقہ نہ تھا۔ نماز سے متعلق جو دعائیں آئی ہیں وہ ساری دعائیں آپ نے نماز کے اندر مانگی ہیں اور نماز کے اندر ہی مانگنے کی ہدایت کی ہے۔ نماز کی حالت سے یہی بات زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اس لئے کہ نمازی اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، سلام پھیرنے کے بعد یہ حالت نہیں رہ جاتی ہے۔ (زاد المعاد، ج: ۱، ص ۲۵۷-۲۵۸)

علامہ ابن القیم نماز کے بعد دعا مانگنے کے مطلقاً منکر نہ تھے بلکہ آپ کی یہ رائے تھی کہ تعوذ، تسبیحات و تحمیدات کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔ گویا دعا کی نفی سے مراد قبلہ رخ بیٹھے اور

تسبیحات وغیرہ کو پڑھے بغیر دعا مانگنا نبی اکرم کا طریقہ نہ تھا۔ مقتدیوں کی جانب رخ پھیر لے اور مشروع اور اوراد و اذکار کی ادائیگی کے بعد آپ کے نزدیک دعاء مانگنا جائز تھا۔ (دیکھئے زاد المعاد، ج: ۱، ص: ۲۵۸)

چنانچہ خود علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں نبی کریمؐ سے نماز کے بعد کی منقول دعائیں ذکر کی ہیں۔ (دیکھئے، زاد المعاد، ج: ۱، ص ۲۹۶-۲۹۷)۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :

کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ امام تو اپنی ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے دعا مانگے گا۔ جبکہ مقتدیوں میں سے ہر ایک کی ضرورت الگ الگ ہوگی۔ لہذا امام کے پیچھے دعا مانگنے میں ہم اپنی مخصوص دعا کیسے مانگ سکتے ہیں اور امام کی اپنی مخصوص دعا سب کی دعا کیسے ہو سکتی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ نبی کریمؐ نے اجتماعی طور پر دعا مانگنے کی صورت میں امام کو مقتدیوں کے ظروف و احوال کی رعایت کا حکم دیا ہے اور مخصوص دعاؤں کو مانگنے سے منع فرمایا ہے۔

مسند احمد میں ہے! " لا یوم عبد قوما فیخص نفسہ بدعوۃ دونھم فان فعل فقد خانھم "۔ (۵/ ۲۸۰، والترمذی: ۳۵۷)

علامہ شعیب الارنووط اور عبد القادر الارنووط نے اسکی سند کو "حسن" قرار دیا ہے۔

(دیکھئے حاشیہ زاد المعاد، ج: ۱، ص: ۲۶۳)

اگر کوئی امام دعا صرف اپنے لئے مانگتا ہے اور مقتدیوں کا خیال نہیں کرتا تو گویا اس نے سب کے ساتھ خیانت کی۔

انصاف کی بات :

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات نکل کر سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے۔ لہذا اسے بدعت قرار دینا غلط اور خلاف تحقیق ہوگا۔ واضح رہے کہ "سلام" پر نماز ختم ہو گئی اس لئے دعا کو نماز کا جزء سمجھنا یا اسے ضروری اور واجب قرار دینا بھی صحیح نہیں۔

بحث و نظر

صداقت اسلام

کے کچھ سائنسی شواہد (۱)

عبدالرحمن زریاب فلاحی

اللہ نے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو کافی شواہد اور بہت سارے عجائبات عطا کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے مبعوث کردہ سچے رسول ہیں ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن مجید کو بھی بہت سارے عجائبات سے مبرہن کیا ہے جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن اللہ کے اصلی الفاظ پر مشتمل ہے اور یہ کہ قرآن کسی انسانی مخلوق کی تصنیف نہیں ہے یہاں مذکورہ بالا شواہد و عجائبات میں سے چند کو موضوع بحث بنایا جارہا ہے۔

۱: قرآن کے سائنسی عجائبات : قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے ان اصلی الفاظ کا مجموعہ ہے جسکا الہام اللہ نے آپ کو جبرئیل کے توسط سے کرایا آپؐ نے پہلے خود قرآن کو یاد کیا اور پھر صحابہؓ کو اس کا املا کرایا صحابہؓ نے بھی اسے حفظ کر لیا پھر اس کو لکھا اور حضور ﷺ کے سامنے دہرایا اس کا جائزہ لیا اس پر نظر ثانی کی مزید برآں خود آنحضرتؐ حضرت جبرئیلؑ کے سامنے ایک بار اس کو ہر سال دہراتے اور آخری سال میں آپؐ نے ان کو دوبار قرآن کو سنایا۔ نزول قرآن کے وقت سے لیکر آج تک مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد قرآن کو حرفاً حرفاً حفظ کرتی چلی آرہی ہے، ان حفاظ کرام میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے پورے قرآن کریم کو ۱۰ سال کی ہی عمر میں حفظ کر لیا۔ صدیاں گذرنے کے باوجود قرآن کا ایک بھی لفظ تبدیل نہیں ہوا ہے۔

وہ قرآن جس کی وحی الہام چودہ صدی پہلے کی گئی تھی، نے کچھ ایسے حقائق کا ذکر کیا تھا جن کی صحت و حقانیت پر سائنس دانوں نے بھی حالیہ زمانوں میں اپنی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اس سے یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن ازلی طور سے اللہ کا کلام ہے جس کی وحی اس نے حضرت محمدؐ کو کی تھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نہ تو محمدؐ کی اپنی تصنیف تھی اور نہ ہی کسی انسانی مخلوق کی۔ اس سے آپؐ کے رسول برحق ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ ۱۴ صدی پہلے ان

حقائق سے پردہ کشائی کرنا جو دور جدید میں ترقی یافتہ اوزاروں اور اعلیٰ سائنسی طریقوں سے تلاش اور ثابت کیے گئے ہیں۔ کسی فرد واحد کے لئے غیر معقول نظر آتا ہے۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱: قرآن اور انسانی جنین کا ارتقاء :

قرآن کے اندر انسانی جنین کے ارتقاء سے متعلق اللہ کا ارشاد ہے۔ "اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے۔ پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں۔ پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا۔ بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی۔ پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت۔ پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں"۔ (سورۃ المومنون۔ ۱۲ تا ۱۴)

لفظ عربی لفظ "علقہ" کے تین معانی ہوتے ہیں ۱: جونک ۲: لٹکائی ہوئی چیز ۳: خون کا منجمد قطرہ۔

علقہ کے مرحلے سے گذرنے والے جنین کو جونک سے موازنہ و مقابلہ دراصل دونوں کے اندر موجود مشابہت و یکسانیت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ یعنی علقہ کے مرحلہ میں جنین کی شکل و صورت جونک سے حد درجہ ملتی جلتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ اس مرحلہ میں جنین ماں کے خون سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ ٹھیک جونک جس طرح دوسروں کے خون پر اپنی زندگی گذارتی ہے۔

لفظ علقہ کا دوسرا معنی لٹکائی ہوئی چیز ہے۔ مرحلہ علقہ کے دوران چونکہ جنین رحم مادر میں معلق ہوتا ہے اس لئے اس کو علقہ نام دیا گیا ہے۔

لفظ علقہ کا تیسرا معنی، خون کا منجمد قطرہ ہے، علقہ کے مرحلے میں جنین اور اس کی تھیلیوں کی باہری شکل و صورت خون کے منجمد قطرہ کے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں جنین کے اندر خون کی نسبتاً زیادہ مقدار موجود ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ اس مرحلہ میں تین ہفتہ کے اختتام سے قبل خون کا دوران بھی (Circulation) نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس مرحلہ میں جنین خون کے منجمد قطرہ کے مشابہ ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظ "علقہ" کے تینوں معنی واضح طور سے جنین کے متعلق توضیحات و تشریحات کے مطابق ہیں جو اس مرحلہ علقہ میں ہوتا ہے۔ آیت کریمہ کے اندر مذکور دوسرا مرحلہ "مضغہ" کا ہے کہ عربی لفظ "مضغہ" کے معنی چبایا ہوا مادہ ہے۔ اگر ہم Gum کو منہ کا اپنے

منہ میں چبانے کے بعد مضغہ کے مرحلہ میں رہنے والے جنین سے اس کا مقابلہ و موازنہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ ایسی حالت میں جنین کی شکل و صورت اس چبائے ہوئے مادہ جیسی ہوتی ہے۔ ایسا جنین کی پشت پر موجود ان حیوانی جسم کے ٹکڑے، جو زیادہ تر جسم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو کہ کچھ کچھ ان دانتوں کے نشانات سے ملتے ہیں۔ جو کسی چبائے ہوئے مادے میں پائے جاتے ہیں۔

۱۴ سو سال پہلے حضور اکرمؐ ان سب باتوں سے کیسے واقف ہو سکتے تھے جن کی دریافت ابھی حال ہی میں سائنس دانوں نے ترقی یافتہ اوزار اور طاقتور دور بینوں کی مدد سے کی ہے۔ آنحضورؐ کے زمانے میں یہ سہولتیں کہاں دستیاب تھیں۔

حضور اکرمؐ کی وفات کے ہزاروں سال بعد ۱۶۷۷ء میں ایک ترقی یافتہ دوربین کے ذریعہ Hamm اور Leeuwanhock سائنس دانوں نے سب سے پہلے منوی خلیہ کا مشاہدہ کیا۔ انہوں نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھ لیا کہ منوی خلیہ کے اندر انسانی وجود کی پہلے ہی سے شکل پائی ایک بالکل چھوٹی سی تصویر ہے جو اسوقت نشو و نما کے مراحل طے کرتی ہے۔ جب اس کو رحم مادر کے اندر منتقل کر دیا جاتا ہے۔

تشریح الاعضاء اور جینیات کے میدانوں میں دنیا کے انتہائی اہم سائنسدانوں میں سے ایک روشن اعزازی پروفیسر Keithl Moore کا نام بھی شامل ہے۔ موصوف The Developing tHuman کی کتاب کے مصنف ہیں۔ جس کا دنیا کی آٹھ زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب ایک سائنسی مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور U. S. کی ایک خاص جماعت نے اس کو کسی فرد واحد کے ذریعہ تصنیف کی گئی بہترین کتاب قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر Kelth کینیڈا کی Univesity of To-ranto کے شعبہ تشریح الاعضاء اور Cell Biology کے ایک روشن اعزازی پروفیسر ہیں۔ وہاں پر شعبہ طب کی شاخ بنیادی تجرباتی علوم کے معاون صدر اور آٹھ سال تک شعبہ تشریح الاعضاء کے چیرمین کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور ۱۹۸۴ء میں کینیڈا کے ماہرین تشریح الاعضاء کی انجمن نے کینیڈا کے تشریح الاعضاء کے میدان میں دیے جانے والے نمایاں ترین اعزاز J.C.B. Graninil Award سے انہیں نوازا۔ آپ بہت ساری عالمی انجمنوں کے ڈائرکٹر بھی رہ چکے ہیں۔ مثلاً The Canadian And Ameracn Associaltion of Anatomistss اور The Council of the Union of Biological Sciences وغیرہ۔

۱۹۸۱ء میں سعودیہ کے شہر دمام میں ساتویں طبی کانفرنس کے دوران پروفیسر Moore نے کہا تھا۔ "انسانی ارتقاء کے متعلق قرآن کے بیانات کی توضیح میں معاون ہونا میرے لئے انتہائی مسرت کا باعث رہا ہے۔ میرے لئے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ یہ سارے بیانات حضور اکرم ﷺ کو لازمی طور سے اللہ سے حاصل ہوئے ہیں، کیونکہ یہ سارے علوم بہت صدیوں پہلے دریافت نہیں کیے گئے تھے۔ میرے نزدیک اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول تھے"۔ مجھے پروفیسر Moore سے مندرجہ ذیل سوال کیا گیا۔

"کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے قائل ہیں؟

جواب: اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ قرآن بلاشبہ کلام الٰہی ہی ہے"۔

ایک کانفرنس کے دوران موصوف نے اپنے خیالات کی کچھ اس طرح وضاحت کی۔

"ارتقاء کے دوران تبدیلی کے مسلسل عمل کے باعث چونکہ انسانی جنین کے مراحل کا علم کافی مشکل اور پیچیدہ ہے لہذا بطور تجویز کہنا چاہوں گا کہ قرآن اور حدیث کے اندر مذکور اصطلاحات کے استعمال کے ذریعہ درجہ بندی کا ایک نئے نظام کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ یہ مجوزہ نظام آسان بھی ہے اور قابل فہم بھی۔ ساتھ ہی یہ نظام موجودہ جینیاتی علوم سے مطابقت بھی رکھتا ہے۔ گذشتہ چار سالوں میں قرآن و احادیث رسول ﷺ کے گہرے مطالعے نے انسانی جنین کی درجہ بندی کے ایک بالکل حیرت انگیز نظام کا انکشاف کیا ہے۔ جس کی مثال ۱۷ ویں صدی سے جبکہ اس نظام کو پہلی بار دریافت کیا گیا تھا قطعاً ناپید ہے۔ اگرچہ جینیاتی کے بابائے آدم ارسطو نے چوتھی صدی قبل مسیح میں مرغی کے انڈوں کا مطالعہ کرکے یہ معلوم کیا تھا کہ چوزوں کے جنین مختلف مراحل سے گذر کر ارتقاء کی منزل کو پہنچے ہیں لیکن اس نے ان مراحل کی کوئی تفصیل فراہم نہیں کی۔ تاریخ جینیات کے مطالعے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ۲۰ ویں صدی سے قبل انسانی جنین کی درجہ بندی اور مراحل کے بارے میں لوگوں کو بہت کم علم تھا۔ اس بناء پر انسانی جنین سے متعلق قرآن کے بیانات اور توضیحات کی بنیاد ۱۷ ویں صدی کے سائنسی علوم پر نہیں رکھی جا سکتی ہے۔ لہذا ان حقائق کی روشنی میں صرف ایک ہی معقول توجیہ ممکن ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسانی جنین سے متعلق قرآن کے بیانات اور توضیحات کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر الہام کیا تھا۔ کیونکہ سائنسی علوم سے بے خبر ہوا قف ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کو ان تفصیلات کا علم ہو ہی نہیں سکتا تھا"۔

بحث و نظر

اسلام کی وسیع الظرفی

نور الصباح انور

اسلام کی تصویر کو مختلف پہلوؤں سے بگاڑنے بلکہ مسخ کرنے کی مسلسل کوشش ہوتی رہی ہے۔ حالانکہ اسلام اپنے معنی و مفہوم میں امن و سلامتی و صلح و آشتی کا پیغام ہے۔ تعلقات کے باب میں جس کشادہ دلی اور وسیع الظرفی کا ثبوت اسلام میں ملتا ہے کسی اور مذہب میں اس کا فقدان ہے۔

اسلام پر یہ بہتان لگایا جاتا ہے کہ یہ مذہب انفرادیت پسند ہے۔ اپنوں اور غیروں میں فرق کرتا ہے۔ یہ مسلمان کے اندر غیر مسلموں کے تئیں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور ان کی دشمنی پر ابھارتا ہے۔

یہ سراسر الزام تراشی اور افترا پردازی پر مبنی باتیں ہیں۔ اسلام کی اس خود ساختہ تصویر کا حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ان ناپاک ذہنوں کی سازش ہے جو عوام کو فریب اور دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اسلام سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام نے تو رحمت کا دروازہ کھولا ہے، شفقت اور محبت اسکا شیوہ ہے، اخوت و بھائی چارگی کا چلن عام کیا ہے، رشتوں ناطوں کی نازکی کا بھر پور لحاظ رکھا ہے۔ اس کے تعلقات کا دامن تو بہت وسیع ہے۔ یہ انسانیت کا درس دیتا ہے۔ اسلام نے حسن و سلوک کا جو عظیم الشان کا تحفہ دیا ہے وہ انسانیت کی بقا اور اسکے وجود کے لئے کافی ہے۔ اس کے تعلقات کی ہر ہر گرہ اور ہر ہر عقدہ پیار و محبت، الفت و یگانگت کا حسین مظہر ہے۔

کتنی مضحکہ کی خیز بات ہے کہ ایسے مذہب پر نفرت و کدورت اور کم ظرفی کا الزام لگایا جائے۔ یہ معاندین اسلام کی کوشش اور انکی ناپاک سازشوں کا ثمرہ ہے کہ آج اسلام اور غیر مسلم سے تعلقات کشیدہ اور بے ربط نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید میں نہ صرف والدین کے ساتھ ساتھ بلکہ قرابت داروں، یتیموں مسکینوں، پڑوسیوں، مسافروں، غلاموں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا عام حکم دیا گیا ہے اور

غیر اخلاقی رویہ کی مذمت کی گئی ہے، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم جس کے ساتھ بھی غیر اخلاقی رویہ ہوگا وہ غیر اسلامی رویہ ہوگا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

"ووصينا الإنسان بوالديه حملته أمه وهنا على وهن وفصاله في عامين أن اشكرلي ولوالديك الي المصير وإن جاهداك على أن تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا واتبع سبيل من أناب إلي ثم إلي مرجعكم فأنبئكم بما كنتم تعملون. سورہ لقمان ۱۴-۱۵۔

ترجمہ: "اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اسکا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے کہ جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہر گز نہ مان، دنیا میں اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے تجھے میری طرف رجوع کیا پھر تو سب کو پلٹنا میری ہی طرف، پھر میں تمہیں بتادوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔

ان آیات میں واضح طور پر ہدایت دی گئی ہے کہ والدین خواہ مشرک ہی کیوں نہ ہو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا۔ ان کے کفر و شرک کی وجہ سے کوئی بد سلوکی جائز نہیں۔

"وإن جاهداك على أن تشرك بي" کے الفاظ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ حکم غیر مسلم والدین کے لئے ہی ہے۔ چنانچہ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ معروف کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے گی۔ البتہ وہ ایسی کوئی بات کہیں جو دین کے منافی ہوں تو ان کی بات ماننے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ والدین کے نان نفقہ کی ذمہ داری بھی اولاد پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں "معروف کے مطابق برتاؤ" میں آتی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ میں ان الفاظ کے ذریعہ توجہ دلائی گئی ہے۔

"ليس من المعروف أن يعيش في نعم الله ويتركهما جوعا"۔ یعنی کوئی

نیکی اور بھلائی نہیں ہے کہ انسان خود تو اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور والدین کو بھوکا چھوڑ دے۔ اسی طرح اگر کافر والدین کا انتقال ہو جائے تو اولاد ان کے کفن دفن کا انتظام کرے گی۔ ان کے جنازہ میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ان کے قبروں کی زیارت بھی جائز ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ چنانچہ صحابہؓ جو ساتھ تھے وہ بھی رو پڑے۔ تو آپؐ نے فرمایا، میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لئے استغفار کی اجازت مانگی لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں ملی، میں نے ان کی قبر کی زیارت کے لئے اجازت مانگی تو وہ مجھے دے دی گئی پھر آپؐ نے فرمایا، تم لوگ قبروں کی زیارت کرو اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ (ابو داؤد)

اسلام نے والدین کے علاوہ رشتہ داروں کے حقوق بھی بیان کئے ہیں۔ اور متعدد احادیث میں ان کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ رشتہ دار خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ان کے ساتھ صلہ رحمی، حسن سلوک، تحفہ تحائف دینا، بوقت ضرورت ان کی مدد کرنا، دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں ایک ریشمی جوڑا عطا فرمایا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا آپ نے تو ریشم کے استعمال سے مردوں کو منع فرمایا ہے۔ پھر یہ کس لئے عطا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ اس لئے نہیں ہے تم اسے پہنو بلکہ اسے دوسرے کام میں لاؤ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ جوڑا اپنے اخیافی بھائی جو مشرک تھے ان کو تحفے میں بھیج دیا۔ (بخاری)

حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی، حسن سلوک، اور تحفہ تحائف بھیجنا صرف جائز ہے بلکہ ایک پسندیدہ امر ہے اور حضورؐ نے بار بار اس کی تاکید فرمائی ہے۔

فقہاءِ سلف نے غیر مسلم رشتہ داروں کا تعاون اور ان کی مدد کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ بوقت ضرورت ان کے لئے وصیت بھی کی جا سکتی ہے البتہ وراثت میں ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون وراثت میں دین کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور حضور ﷺ نے واضح طور سے فرمایا "لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم" (بخاری و مسلم) یعنی

کوئی کافر کسی مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی مسلم کسی کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔

سورۂ احزاب کی آیت (۶) "واولو الأرحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله من المومنين والمهجرين الاأن تفعلوا إلى اولياءكم معروفاً" سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء نے غیر مسلم رشتہ داروں کے لئے عطایا، بخشش اور وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت صفیہؓ نے ایک یہودی عزیز کے لئے وصیت کی تھی۔ (الدارمی)

تعلقات کے باب میں رشتہ داروں کے ساتھ پڑوسیوں کی اہمیت مسلم ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم عام ہے اور اس کے مستحق مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی ہیں۔

حضرت عمرؓ کے یہاں ایک بار ایک بکری ذبح ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے پوچھا ہمارے فلاں یہودی کے پاس اس میں سے کچھ بھیجا۔

رسول ﷺ نے بذات خود ایک غیر مسلم پڑوسی کی عیادت کی اور اس سے اسلام لانے کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ ایمان لایا اور حضور ﷺ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔ (بخاری)

فقہاء نے رسول ﷺ کے اس اسوہ سے استدلال کرتے ہوئے غیر مسلموں کی عیادت اور ان کی تعزیت کو جائز قرار دیا ہے۔

غیر مسلم والدین، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی جس طرح اسلام نے تعلیم دی ہے اسی طرح عام غیر مسلموں کے ساتھ بھی ربط و تعلق کو جائز قرار دیتا ہے۔ بوقت ضرورت ان کی مدد کرنا، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا ان پر انفاق کرنا اسلام کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمانوں میں ضرورت مندوں کی تعداد بڑھ گئی تو حضور ﷺ نے غیر مسلموں پر انفاق سے منع کر دیا اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی "لیس عليك هداهم ولكن الله يهدى من يشاء وما تنفقوا من خير فلانفسكم وماتنفقون الاابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خير يوف إليكم وانتم لاتظلمون" (سورۂ بقرہ۔ ۲۷۲)

ترجمہ: لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خیرات میں جو مال خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے، آخر تم اسی لئے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی"

اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے مسلم غیر مسلم ہر طبقہ پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرمادی حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں۔ کہ رسول ﷺ نے ایک یہودی گھرانے پر صدقہ کیا تھا۔ جو بعد میں بھی جاری رہا۔

اسلامی شریعت میں صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو فرض یا واجب ہوں دوسرے وہ جو اللہ کی رضا اور اسکی خوشنودی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اس بات پر تمام امت کا اجماع ہے کہ زکوۃ کے اموال کے حقدار صرف مسلم حاجتمند ہیں غیر مسلموں پر یہ خرچ نہیں کئے جائیں گے یہی حکم صدقہ فطر کا بھی ہے البتہ امام ابوحنیفہ ذمیوں پر صدقہ فطر کے صرف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

بہر حال وہ صدقات جو فرض یا واجب ہوں ان کی [illegible] قسیں ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں کی خدمت و تعاون و ہمدردی کی بہت ساری شکلیں ہیں جن سے ان کو فائدہ پہونچایا جاسکتا ہے۔ امت مسلمہ کے وجود کا مقصد قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ "کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله"

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہو تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے بھی غیر مسلموں سے بہتر اور خوشگوار تعلقات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ لہذا غیر مسلموں سے خوش [illegible] ملاقات کے لئے ان کو دعوت دینا بھی ان کی دعوت کو قبول کرنا، بوقت ضرورت ان کو سلام کرنا، ان کے سلام کا جواب دینا وغیرہ جائز ہے۔ اسی طرح ان کے ساتھ تجارت اور مالی لین دین [illegible] جائز ہے۔ اس بات کا جواز بھی احادیث سے ملتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ "رسول اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے کھانے کی کوئی چیز خریدی اور اپنی زرہ اس کے یہاں رہن رکھی" (بخاری)

ایک دوسری حدیث عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ "ہم لوگ رسول کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک مشرک جو پراگندہ بال اور دراز قد تھا کچھ بکریاں لے کر پہونچا۔ آپؐ نے پوچھا یہ فروخت کے لئے ہیں یا تحفہ میں اس نے کہا کہ فروخت کے لئے ہیں۔ تو آپؐ نے اس سے ایک بکری خریدی تھی۔ (بخاری)

ان احادیث سے مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے اس تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ خنزیر کا کاروبار کرتے ہیں یا سود کھاتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جیسے ان کے پاس حلال مال آیا ہو الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے۔

اسلام نے جہاں یتیموں، مسکینوں اور بے بسوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ وہیں قیدیوں کا بھی ذکر ہے۔ قیدیوں کے سلسلے میں عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ ایک سماجی مجرم ہیں چنانچہ ان کے تئیں ہمدردی کا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں قیدیوں کے ساتھ بہت ہی ناروا سلوک ہوتا رہا ہے۔ انہیں طرح طرح کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں دی جاتی رہی ہیں۔ ان حالات میں اسلام نے غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے کسی اور مذہب کی تاریخ اس پہلو سے واخدار ہے۔ اسلام نے اپنے متبعین کے اندر قیدیوں کے مجرم اور گناہگار ہونے سے زیادہ ان کے انسانی اور ہمدردی کے مستحق ہونے کا جذبہ ابھارا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا" (سورہ دہر ۔ ۸)

"اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں"

ایک روایت میں ہے کہ جنگ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے اور ستر قید کر لئے گئے۔ رسولؐ نے قیدیوں کو صحابہ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اس نصیحت پر اس طرح عمل ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود ابو عزیز جو اس جنگ

میں النضر ابن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے کہتے ہیں کہ وہ قید ہونے کے بعد انصار کے حوالے کئے گئے۔ رسولؐ کی نصیحت کا ان پر یہ اثر ہوا تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے۔ ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مل جاتا تو وہ مجھے دے دیتا، اپنے ہاتھ نہیں لگاتا، اس سے مجھے شرم سی محسوس ہوتی۔ (سیرت النبی۔ ابن ہشام ۲/۲۸۸)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی رویہ اختیار کرنا، انھیں ذہنی اور جسمانی اذیت دینا غیر اسلامی رویہ ہے گو کہ وہ دشمن ہیں لیکن اس سے پہلے وہ انسان ہیں، بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔

یہ ہے اسلام کی وسیع ظرفی اور کشادہ دلی۔ یہ دلوں میں نفرت و کدورت کے بیج نہیں بوتا بلکہ پیار و محبت کے پھول کھلاتا ہے۔ قلب و ذہن میں ایثار و ہمدردی کی جوت جگاتا ہے۔ تعلقات کے ہر ہر تار کو شفقت و محبت اور الفت و یگانگت کے ریشمی بندھنوں سے باندھتا چلا جاتا ہے..................... وہ اور لوگ ہیں جو نفرت اور کدورت اور بغض و عداوت کی بات کرتے ہیں۔

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں ☆ اپنا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف (۲)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابو سلیمان

فرقہ اباضیہ کے تفسیری مصادر: ھمیان الزاد الی دار المعاد، مولف محمد بن یوسف بن عیسیٰ بن صالح اطفیش الوہبی الاباضی۔ (۱۳۳۲ھ)

یہ تفسیر خوارج کے فرقہ اباضیہ کے مسلک کی ترجمان ہے ہر سورہ کے آغاز میں وہ آیات کی تعداد، مکی اور مدنی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہر سورہ کے فضائل اور فوائد پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ پھر آیات کی انتہائی شرح و بسط کے ساتھ تفسیر بیان کرتے ہیں نحوی، لغوی اور بلاغتی پہلوؤں کے علاوہ فقہی اور اختلافی مسائل پر بھرپور گفتگو کرتے ہیں۔ اصولی اور کلامی مسائل اور قرآت کا بھی تذکرہ پایا جاتا ہے کثرت سے اسرائیلی روایات مروی ہیں۔ ہر آیت سے اپنے مسلک اور مذہب کی تائید میں استدلال کرتے ہیں اور اگر کوئی آیت انکے مسلک کے خلاف نظر آتی ہے تو بھرپور انداز سے اس کی تاویل کرتے ہیں۔

فرقہ امامیہ کے تفسیری مصادر:

۱: تفسیر الحسن العسکری: مؤلف ابو محمد الحسن بن علی الہادی۔

یہ اپنی تفسیر میں فقہ جعفری کے مطابق احکامی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں معتزلہ کے مسلک سے کافی متاثر ہیں۔ شیعی عقائد کے دلائل اور براہین فراہم کرتے ہیں اس تفسیر میں جا بجا غلو کے مظاہر اور خلاف معمول باتیں درج ہیں۔ یہ تفسیر دار الکتب المصریہ میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔

۲: مجمع البیان لعلوم القرآن: مؤلف ابو علی الفضل بن الفضل الطوسی المشہدی)

ہر سورۃ کے آغاز میں اس کے مکی اور مدنی ہونے سے بحث کرتے ہیں آیات کی تعداد میں اختلاف، آیات کی قرأت اور لغوی تحقیق اور تراکیب پر کافی و شافی بحث کرتے ہیں۔ اسباب نزول کے تذکرہ کے بعد معانی و مفاہیم اور احکام و تاویلات بیان کرتے ہیں۔ متعصب شیعہ ہیں۔ اپنے مسلک کی تائید واستدلال میں ہر ہر آیت سے استنباط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کلامی مسائل میں معتزلہ کی موافقت کرتے ہیں۔ اسرائیلی روایات کو بلا نقد و تبصرہ کے

درج کرتے ہیں۔ آپ کی تفسیر کی امتیازی خوبی حسن ترتیب، باریک تعلیل و توجیہ اور مضبوط دلائل کی فراہمی اور حد درجہ غلو سے پاک ہونا ہے۔

۳: اصافی فی تفسیر القرآن: محمد بن شاہ مرتضیٰ بن الشاہ المعروف غلام حسن،

یہ تفسیر امامیہ کی ترجمان ہے۔ قرآنی آیات کی انحصار کے ساتھ تشریح کی ہے البتہ اپنے عقائد اور عبادات پر دلالت کرنے والی آیات کی بھرپور تشریح کی ہے۔ علماء اہل بیت اور انکے ائمہ سے مروی تفسیری آراء پر اس کتاب کا انحصار ہے۔

۴: تفسیر القرآن: مؤلف، السید، عبداللہ بن محمد رضا علوی۔ (شبر) (۱۲۴۲ھ)

آیات کی انتہائی اختصار کے ساتھ تشریح کی ہے۔ ہر ہر لفظ متعدد معنی کو سموئے ہوئے ہے۔ اس پہلو سے یہ تفسیر جلالین سے مشابہ ہے اس کا انحصار اہل بیت کی تفسیری آراء پر ہے۔ مؤلف نے حد درجہ غلو سے کام لیا ہے۔

۵: بیان السعادۃ فی مقام العبادۃ: مؤلف سلطان محمد بن حیدر الجنابذی)

فلسفیانہ اور صوفیانہ آراء پر مشتمل ہونے کی بناء پر انکی یہ تفسیری تشریحات بے حد مشکل ہیں فقہی مسائل کا سرسری تذکرہ ہے بعض کلامی مسائل میں اہل سنت کی اور بعض میں معتزلہ کی موافقت کی ہے۔

آیاتِ احکام کی فقہی تفاسیر

۱: احکام القرآن: ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی۔ (۲۰۴ھ)

اس کتاب کو حافظ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی نے امام شافعی اور انکے شاگردوں جیسے مزنی، بویطی اور ابو ثور کی کتابوں سے جمع کیا ہے آیت ذکر کر کے اس سے ماخوذ و مستنبط مسائل بیان کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں امام شافعی" سے منقول آراء کا ذکر کر کے کبھی کبھی مخالفین کے دلائل کا عمدہ انداز میں مناقشہ کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ابواب فقہ میں شافعی مسلک کی حامی ہے عموماً آیاتِ احکام کی دلیل میں مؤلف نے اس باب کی احادیث بھی ذکر کی ہیں۔

۲: احکام القرآن:

ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص۔ (المتوفی ۳۷۰ھ)

آیات و احکام کے اصولی اور فقہی قواعد کی روشنی میں تشریح کی ہے اصولی و فقہی قواعد کو انہوں نے اپنی کتاب اصول فقہ میں ذکر کیا ہے اور اسے اپنی اس تفسیر کا مقدمہ بنایا ہے۔ اکثر اصولی مسائل میں اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔

آیاتِ احکام کی مختصر تشریح کے بعد فقہی نقطہ نظر سے اس کی تشریح کرتے ہیں اقوال اور آراء کے ساتھ ساتھ ہر مسئلہ کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اور حنفی مسلک کی ترجیح کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

آپ کا طریقہ تفسیر یہ ہے کہ ہر سورہ سے آیات احکام کے انتخاب کے بعد اس سے متعلق آیات و احادیث کو ذکر کرتے ہیں اگرچہ آیات کی تفسیر مصحف کی ترتیب کے لحاظ سے کی ہے۔ لیکن فقہی پہلو کے غالب ہونے کی بناء پر پوری کتاب میں فقہی لحاظ سے ابواب اور ذیلی عناوین قائم کیے ہیں۔

۳: احکام القرآن:

مؤلف ابو الحسن علی بن محمد بن علی بن محمد بن علی الطبری۔ (۵۰۴ھ)

شوافع کے نزدیک یہ تفسیر فقہی تفسیر کی اہم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔

مؤلف کتاب اپنی اس کتاب کے سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں! "شافعی مسلک کی ترجیح کے لئے میں نے اپنی اس کتاب کی تالیف کی ہے۔ اہم اور دقیق مسائل میں امام شافعی کے دلائل کے ساتھ ساتھ مزید دلائل فراہم کرنے کی میں نے اپنی طاقت بھر، بھرپور کوشش اور جدو جہد کی ہے۔ اس کتاب کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو معقول و منقول پر عبور رکھتا ہو اور حوصلے کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

۴: احکام القرآن:

ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی۔ (متوفی ۵۴۳ھ)

یہ کتاب ان بنیادی اور اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو اسرار قرآن سے پردہ اٹھاتی ہیں اور احکام کے ماخذ بیان کرتی ہیں۔

مصحف کی ترتیب کے لحاظ سے مؤلف نے آیات احکام کو ذکر کر کے ان سے ماخوذ مسائل و احکام کو بیان کیا ہے۔ ہر ہر فقرہ کی انفرادی تشریح کے بعد مؤلف نے پورے پورے جملے کی تفسیر کی ہے۔ بلاغتی اور نحوی پہلوؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ جابجا فقہی احادیث سے بھی استدلال مذکور ہے۔

اصولِ تفسیر کے مصادر

۱: مقدمہ فی اصول التفسیر:

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

بعض علماء کی طلب پر مؤلف نے اس مقدمہ کو لکھا ہے۔ چھ فصلوں پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

۱: نبی کریم ﷺ کا صحابہؓ کے سامنے معانی قرآن کی توضیح کرنا۔

۲: سلف صالحین کا تفسیر میں اختلاف کی نوعیت۔

۳: فن تفسیر میں اختلاف کی دونوں صورتیں۔

۴: استدلال واستنباط کے لحاظ سے واضح اختلاف۔

۵: سب سے عمدہ طریقہ تفسیر۔

۶: تابعین کے اقوال کی روشنی میں تفسیر قرآن اور تفسیر بالرائے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کتاب پر بھرپور اعتماد کیا ہے۔ آپ کی تفسیر کے آخر میں ملحق اصول تفسیر زیادہ تر اسی کتاب سے ماخوذ ومستنبط ہیں۔ علامہ زرکشی اور سیوطی نے بھی اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

۲: البرہان فی علوم القرآن: امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی۔ (۷۹۴ھ)

یہ کتاب ۴۷ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب علوم قرآن کے کسی ایک خاص فن پر مشتمل ہے۔ علوم قرآن کے ہر فن پر لکھی گئی کتابوں کے استقصاء کے ساتھ اس فن کے اہم مسائل کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس موضوع پر فقہاء اصولیین، محدثین اور مفسرین کے اقوال کا احاطہ کیا ہے۔ متکلمین اور نحویین ولغویین کے ساتھ ساتھ بلغاء اور ادباء کی رائیں بھی درج کی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اپنے فن کی بے نظیر اور عمدہ کتاب بن گئی۔

۳: کتاب الاتقان فی علوم القرآن: حافظ جلال الدین السیوطی۔ (۹۱۱ھ)

مجملاً علوم قرآن کے ۸۰ فنون کا تذکرہ ہے جن کے ضمن میں علوم قرآن کے دیگر اور بھی متعدد مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ اگر مؤلف نے انہیں الگ الگ عنوان کے تحت ذکر کیا ہوتا تو تین سو سے زائد عناوین ہو جاتے۔

دفاع عن السنۃ

اخبارِ آحاد کی شرعی حیثیت

آخری قسط

انیس احمد فلاحی

اخبارِ آحاد کی حجیت کے منکرین اور ان کے شبہات:

جملہ صحابہ اور تابعین، اکثر فقہاء مالکیہ وحنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ اور جمہور متکلمین اخبار آحاد کی حجیت کے قائل ہیں۔ یہی رائے مشہور شیعہ عالم ابو جعفر الطوسی کی بھی تھی۔ (دیکھئے: احکام الفصول، ابو الولید الباجی ر ۳۳۲، المغنی فی اصول الفقہ خبازی ۱۹۴، فتح الغفار ابن نجیم ۲ ر ۸۷، شرح تنقیح الفصول قرافی ۳۵۶، نہایۃ السول، بیضاوی ۳ ر ۱۰۴، العدۃ، ابو یعلی، ۳ ر ۸۵۹، شرح الکوکب المنیر ابن النجار، ۲ ر ۳۰۱۱، المسودۃ، ابو البرکات: ۲۳۸ اور محصول رازی ۲ ر ۱۷۰)

اخبار آحاد کی حجیت کے منکر شیعہ جمہور قدریہ، ابراہیم ابن علیہ اور بعض وہ اہل ظاہر ہیں جو معتزلہ کے اہم مشرب ہیں۔ جیسے ابن داؤد اور علامہ قاشانی۔ (دیکھئے: الاحکام ۱ ر ۲ ر ۲۸۸، الوصول الی الاصول ۲ ر ۱۹۳، المستصفیٰ غزالی ۱ ر ۱۴۸)

منکرین کے شبہات:

"لا تقف ما لیس لک بہ علم" (الاسراء: ۳۶) اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ "ان الظن لا یغنی من الحق شیئا" (سورۃ النجم: ۲۸)

یقیناً گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچاتا۔

وجہ استدلال:

منکرین کہتے ہیں یہ آیات مذمت کے سیاق میں وارد ہیں اور مذمت کے سیاق میں ان کا ورود ظن وتخمین پر عمل کی حرمت کا متقاضی ہے۔ اور اخبار آحاد پر عمل، علم ویقین کے بغیر محض ظن وگمان پر عمل کا نام ہے کیونکہ اخبار آحاد کے واسطہ سے مروی ہونے والی خبریں قطعی

نہیں بلکہ ظنی ہیں۔ کیونکہ اخبار آحاد کے راویوں سے بھول اور غلطی کے صدور کا احتمال ہے۔ لہذا ان سے استدلال درست نہ ہوگا۔ (دیکھیے: الاحکام آمدی ج ا ج ۳ ص ۳۰۰، حاشیہ سعد الدین التفتازانی ۲/ ۲۰، السید ومکانتہما فی التشریع الاسلامی: ۱۶۸)

جواباً عرض ہے کہ آیات مذکورہ میں ظن پر عمل سے مراد دین کے بنیادی اور اصولی قواعد میں ظن و تخمین پر عمل ہے۔ فروعی اور جزئی مسائل میں ظن و تخمین پر عمل واجب ہے کیونکہ نصوص قرآن کی تفہیم و تشریح میں مجتہدین کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اور کوئی مجتہد اپنے اجتہاد کو قطعیت کے ساتھ صحیح نہیں کہہ سکتا لیکن پھر بھی امت کا اجماع ہے کہ مجتہدین کے اجتہادات اور استنباطات پر عمل کیا جائے۔ نیز اخبار آحاد کی حجیت ظنی نہیں ہے بلکہ قطعی ہے۔ کیونکہ عہد صحابہ ہی سے علماء کے درمیان اخبار آحاد پر عمل پر اتفاق رہا ہے۔ لہذا اخبار آحاد کا ہر عمل ظنی دلیل پر عمل نہیں بلکہ ایک قطعی دلیل پر عمل ہوگا۔ جو قطعی ہے یعنی اخبار آحاد کی حجیت پر علماء کا اجماع۔

(دیکھیے السنہ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی: ۱۶۷)

دوسرا شبہ:

اگر فروعی و جزئی مسائل میں اخبار آحاد پر عمل جائز ہے تو اصول و عقائد کے باب میں بدرجہ اولیٰ عمل جائز ہوگا۔ اور جب بالاتفاق اصول و عقائد کے باب میں اخبار آحاد غیر مقبول ہیں تو فروعی اور جزئی مسائل میں بھی وہ غیر مقبول ہونگی

جواباً عرض یہ ہے کہ اصولی اور فروعی مسائل میں واضح فرق ہے اس کی واضح دلیل فروعی اور جزئی مسائل میں شہادتوں اور فتوی کا معتبر ہونا ہے جبکہ اصولی مسائل میں فتوی اور شہادتیں غیر معتبر ہوتی ہیں لہذا مذکورہ بالا قیاس فاسد ہوگا۔ (الاحکام آمدی ۱/ ۱۷۷)

تیسرا شبہ:

صحیح بخاری اور سنن الدارمی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو ہی رکعت پر نماز سے فارغ ہوگئے تو "ذوالیدین" نامی ایک شخص نے پوچھا اے رسول ﷺ! کیا نماز میں تخفیف کردی گئی ہے یا آپ سے بھول واقع ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا! کیا ذوالیدین سچ کہہ رہے

ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے باقی ماندہ دو رکعتیں ادا کیں، پھر سلام پھیر اور تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سہو کیا۔ (صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد باب رقم:(۱) حدیث رقم: ۷۲۵۰ وسنن الدارمی ۱/ ۳۵۱)

وجہ استدلال:

منکرین کہتے ہیں آپ نے خرباق کی خبر قبول نہ کی بلکہ اس وقت تک توقف اختیار کیا جب تک کہ لوگوں نے انکی تصدیق نہ کردی۔ اور خبر واحد اگر حجت ہوتی تو آپ انکی خبر کی بابت توقف نہ اختیار کرتے۔

جواباً عرض ہے کہ نبی کریم نے ذوالیدین کی خبر کو قبول کرنے میں اس لئے توقف اختیار کیا کیونکہ آپ کو انکی خبر کے برعکس امر پر یقین تھا۔ اسی لئے آپ نے ذوالیدین کے کہنے کے بعد فرمایا تھا: "تخفیف و نسیان میں سے کوئی چیز بھی واقع نہیں ہوئی ہے"۔ اور ظاہر ہے جب آدمی کو خبر پر یقین ہی نہ ہو تو اس خبر کو قبول کرنے کا مکلف نہیں۔ اور جب صحابہ کرامؓ نے ذوالیدین کی خبر کی تصدیق کی تو آپ نے اپنی نماز مکمل کی اور سجدہ سہو کیا۔ نیز آپ ﷺ نے ذوالیدین کی خبر کے ابوبکرؓ و عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کی خبر سے موافقت کے بعد اس پر عمل فرمایا واضح رہے اس موافقت کے باوجود بھی وہ خبر اخبار آحاد ہی کے دائرہ میں باقی رہی۔

(دیکھیے مذکرۃ اصول الفقہ، شیخ محمد امین بن مختار الشنقیطی: ص ۱۰۸ و ۱۰۹)

چوتھا شبہ:

متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بے شمار واقعات میں خبر واحد پر عمل نہیں کیا۔ جیسے ابوبکرؓ نے دادی کی میراث کے بارے میں مغیرہ بن شعبہؓ کی خبر کو اس وقت تک قبول نہ فرمایا جب تک کہ محمد بن مسلمہؓ نے انکی تصدیق نہ فرمائی۔ اور عمر فاروقؓ نے استئذان کی بابت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت کو اس وقت تک قبول نہ فرمایا جب تک کہ ابوسعید الخدریؓ نے گواہی نہ دے دی۔ اور فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث کے بابت فرمایا! "ہم کتاب الٰہی اور سنت رسول ﷺ کو ایک عورت کی بات کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس نے واقعہ کو صحیح طور پر یاد رکھا یا بھول کا شکار ہوگئیں۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ نے ابن عمرؓ کی

اس حدیث کو قبول نہ فرمایا! "ان المیت لیعذب ببکاء اہلہ علیہ" (سنن ابی داؤد، حدیث رقم: ۲۸۹۳) (بخاری، حدیث رقم: ۲۲۳۵) (مسلم، حدیث رقم: ۱۳۸۰) صحیح بخاری، حدیث رقم: ۱۲۸۶۰)

چوتھے شبہے کا جواب درج ذیل دو پہلوؤں سے دیا جائے گا۔

۱: مذکورہ بالا تمام حدیثیں (سوائے فاطمہ بنت قیس والی حدیث کے) منکرین کے خلاف حجت ہیں کیونکہ ان جملہ اخبار کو صحابہ کرامؓ نے دوسرے صحابی کی تائید کے بعد قبول فرمایا درانحالیکہ دوسرے صحابی کی تائید سے وہ حدیث خبر واحد ہی قرار رہی، خبر متواتر کے درجہ تک نہیں جا پہنچی۔ (روضۃ الناظر ابن قدامہ ۱/۲۷۶-۲۷۷)

۲: متعدد واقعات میں صحابہ کرامؓ سے اخبار آحاد پر عمل ثابت ہے۔ لہٰذا اگر بعض اخبار کے تئیں کسی صحابی نے توقف اختیار کی تو اس لئے نہیں کہ وہ خبر حجت نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور شبہ اور وہم کے اندیشہ یا مزید احتیاط کی راہ اختیار کرنے کی بناء پر اس نے ایسا کیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیثوں میں توقف اختیار کرنے کے اسباب درج ذیل تھے۔

حدیثِ مغیرہؓ:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے مزید ایک گواہ محض یقین و اطمینان کے لئے طلب کیا تھا۔ اگرچہ فرد واحد یعنی صرف مغیرہؓ کی روایت بھی عمل کے لئے کافی تھی لیکن آپ کا مقصود مزید اطمینان حاصل کرنا تھا۔ جیسا کہ قصہ ابراہیم میں وارد ہے کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت جاننی چاہی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تمہیں بعث بعد الموت پر یقین نہیں ہے۔ تو ابراہیمؑ نے جواب دیا کیوں نہیں، لیکن میں اس کیفیت کو اس لئے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ مجھے اطمینان قلب ہو سکے۔ (سورۃ البقرۃ/۲۶۰)

کسی چیز پر اطمینان حاصل کرنا جملہ امور میں مطلوب و مستحسن ہے اور خصوصاً عبادات اور شرعی احکام میں تو یہ چیز بدرجہ اولیٰ پسندیدہ ہے۔ (شرح اللمع ابو اسحق الشیرازی ۲/۵۹۸)

ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت:

عمر فاروقؓ نے بھی اجازت کے آداب کے تئیں ابوموسیٰؓ کی روایت پر گواہ محض یقین و اعتماد کے لئے مانگا تھا۔ جس کی واضح دلیل آپ کا ابوموسیٰ اشعریؓ سے کا یہ کہنا ہے سنو!

میں تم پر تہمت نہیں لگا رہا ہوں لیکن مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ رسول خدا ﷺ کی جانب غلط باتیں منسوب نہ کرنے لگیں۔ عمر فاروقؓ کے گواہ طلب کرنے کا مقصود کذب و فساد کی راہ بند کرنا تھا۔ کیونکہ آپؓ نے دیکھا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ جب میرے گھر سے نکلے تو تین بار سلام کر کے واپس جانے لگے۔ اور میں نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے ایک حدیث بیان کی جو اس صورتحال سے ان کو بری قرار دے رہی تھی۔ اس لئے آپ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ جب کوئی معاملہ کسی کے ساتھ پیش آئے تو وہ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اس سے نکلنے کی راہ کی خاطر کوئی حدیث نہ گھڑ لے اس لئے آپ نے گواہ طلب فرمایا۔
(دیکھئے: شرح اللمع ۲/۵۹۸-۵۹۹)۔

حدیث فاطمہ بنت قیسؓ:

فاطمہؓ کی حدیث کو حضرت عمر فاروقؓ نے کتاب و سنت سے مخالف ہونے کی بناء پر رد فرمایا تھا۔ کیونکہ رہائش کا حق ہر مطلقہ کا حق ہے۔ خواہ اسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا اسے طلاق بائن۔ ارشاد باری ہے: اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم (طلاق/۶)

انہیں وہاں ٹھہراؤ جہاں تم رہتے ہو۔ اور فاطمہؓ اس صریح فرمان الٰہی کے باوجود بھی کہہ رہی تھیں کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ تو مجھے نفقہ کا حق عطا فرمایا اور نہ ہی رہائش کا۔ (اصول السرخسی) ۱/۳۳۲)

ابن عمرؓ کی حدیث:

عائشہؓ نے ابن عمرؓ کو جھوٹا قرار نہیں دیا تھا بلکہ آپ کا گمان تھا کہ ابن عمرؓ کو اس حدیث کے سمجھنے میں کہیں سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ورنہ اگر یہ حدیث بعینہ انہیں الفاظ کے ساتھ منقول ہوتی تو قرآن مجید کی اس آیت سے متصادم نہیں ہوتی۔ "ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ"۔ غور کیجئے میت کے گھر والوں کا رونا میت کا عمل نہیں ہے تو آخر اس پر عذاب کیوں دیا جائے گا۔ جبکہ قرآن مجید کہتا ہے کہ کوئی گناہ کرنے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اسی لئے آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ ابن عمر کو روایت سمجھنے میں کہیں سے بھول ہو رہی ہے اور کسی شخص کا کسی شخص کے بارے میں کسی متعین روایت میں کسی مضبوط سبب کی بناء پر یہ سمجھنا کہ ان کو روایت میں بھول لاحق ہو گئی ہے اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ وہ اس راوی کی خبر کو مطلقاً رد کر رہا ہے۔ (مذکرہ اصول الفقہ۔ علامہ شنقیطی: ۱۰۹)

مذاہب عالم

شرک کی قدامت

ادارہ

مغربی محققین کے نزدیک شرک ازلی اور قدیم ہے۔ انسان کو جب پیدا کیا گیا تھا تو اسے مذہب و توحید کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے مذہب کی ابتداء مظاہر پرستی سے کی۔ انکے نزدیک مذہبی ارتقاء کی مندرجہ ذیل کڑیاں ہیں۔

۱: پری انی مزم ۲: انی مزم ۳: ٹوٹم ازم ۴: اجراء پرستی

۵: فرضی دیوتاؤں کی پرستش ۶: توحید الٰہی

دلائل:

۱: **صنعت و حرفت پر قیاس:** ملحدین کہتے ہیں جسطرح انسان نے صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں رفتہ رفتہ ترقی کی اسی طرح اس نے دین و مذہب میں بھی رفتہ رفتہ بتدریج ترقی کی۔ کائنات میں جب انسان نے آنکھیں کھولیں تو پہاڑ، دریا، جنگل، سورج اور چاند کو اپنے سے عظیم تر پایا لہذا انکی پرستش شروع کردی اور پھر عقلی و فکری لحاظ سے انسان نے جب ترقی کی تو پھر ان معبودوں کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد کی بندگی کرنے لگا۔

۲: **آثار قدیمہ:** کی کھدائیوں کے دوران متعدد ایسے شواہد ملے ہیں کہ انسان قدیم زمانے ہی سے ایک سے زائد خداؤں اور دیوتاؤں کو مانتا رہا ہے۔

صنعت و حرفت کی ترقی پر قیاس، قیاس مع الفاسد ہے کیونکہ (۱) صنعت و حرفت مادی چیز ہے اور مذہب معنوی۔ تو آخر غیر محسوس چیز کو محسوس چیز پر قیاس کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ یہ قیاس تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی ہوا کو پانی پر قیاس کرے۔

صنعت کی بنیاد تجربہ پر قائم ہے اور اسکے نتائج تجربہ کی تکمیل کے بعد ظاہر ہوتے ہیں جبکہ دین

تجربہ پر قائم نہیں اور اسکے نتائج اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے۔

اس قیاس کو اگر درست مانا جائے تو اس زمانے میں لوگوں کو پکا موحد ہونا چاہئے کیونکہ صنعتیں اپنے اوج کمال کو پہنچ گئی ہیں درانحالیکہ دینی لحاظ سے انسان پہلے کے مقابلے میں زیادہ گرا ہوا ہے کیونکہ الحاد پورے عالم میں منتشر ہے۔ نیز اسکو ماننے سے یہ بھی لازم آئے گا۔ اس صنعتی دور میں پورے عالم میں کہیں شرک نہ ہو درانحالیکہ شرک مشرق و مغرب میں ہر جگہ عام ہے۔

رہا آثار قدیمہ میں پائی جانے والی مورتیوں سے استدلال تو جوابا عرض ہے کہ یہ محض ظن و گمان ہے۔ مختلف کھدائیوں میں ملنے والی قدیم مورتیاں زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پچھلی قومیں شرک میں مبتلا تھیں۔ اور یہ چیز قرآن و سنت سے بھی ثابت ہے۔ انسان اول کا مذہب کیا تھا اسکے عقیدے کے معرفت کے لئے اس انسان اور اسکے آثار کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ پھر ایک ہی قوم پر مختلف احوال طاری ہوتے رہے ہیں جیسے اہل مکہ آغاز میں توحید کے علمبردار تھے پھر شرک میں مبتلاء ہوگئے اور ایک عرصہ دراز تک شرک کرتے رہے پھر بعثت محمدی ﷺ کے بعد پھر توحید کی طرف پلٹ آئے۔ اس لئے کسی کھدائی میں مورتیوں کا ملنا صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اس عرصہ میں وہ قوم شرک میں مبتلاء تھی۔

(دراسات فی الادیان، سعود بن عبدالعزیز الخلف)

قرآن مجید میں ہے۔" وکان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين" (سورۃ البقرہ، ۲۱۳)

لوگ ایک ہی امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو آگاہی اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں آدمؑ کے بعد لوگ دس صدیوں تک توحید کے علمبردار رہے اور پھر شرک میں مبتلاء ہوگئے۔ (ابن جریر ۴/ ۳۳۴)

اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام کے عہد میں جب آپ کی قوم کے نیک لوگ جیسے ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر انتقال کر گئے شیطان نے یہ راہ دکھلائی کہ اگر ان کی مجلسوں میں پتھر نصب کر کے ان کے نام لکھ دیے جائیں تو ان کو دیکھ کر انکی سیرت یاد آئے گی چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ بعد میں جہالت کی بناء پر لوگ ان کی عبادت کرنے لگے۔ (صحیح البخاری مع الفتح ۸/ ۶۶۷)

مذکورہ بالا قرآنی تصور کی اب مغربی محققین بھی تائید کر رہے ہیں۔ پروفیسر شمٹ (SCHIMIT) کہتے ہیں! "علم شعوب وقبائل انسان کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بیکار ہو گیا ہے۔ نشوونما کی مرتب کڑیوں کا جو خوشنما سلسلہ اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے"۔

ایک اور جگہ انھوں نے لکھا ہے!" اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کی ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد خدائے واحد تھا اور انسان کا وہی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا۔ وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا"۔

(تقابل ادیان، ڈاکٹر رشید احمد، گوریجہ: ۱۷)

مشہور محقق آدمون ہیوبل، جو ابتدائی اقوام اور ان کے مذاہب کا متخصص تھا۔ لکھتا ہے "یہ کہنا کہ توحید کا تصور ارتقاء کا نتیجہ ہے غلط ہے" ۔ ملیشیا کے ڈاکٹر اورانج کائی کہتے ہیں!" انڈونیشیا کے جزیرہ وار جیل کے علاقے میں لوگ نصرانیت اور اسلام کے پہنچنے سے پہلے سے ایک خدائے واحد کی بندگی کرتے تھے۔ اور جزیرہ کلنتان میں ہندومت اور اسلام کے پہنچنے سے قبل توحید کا تصور پایا جاتا تھا۔ سنسکرت سے پہلے جو علاقائی زبانیں رائج تھیں ان کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے تک پہنچے کہ ہندومت اور اسلام کے دخول سے پہلے اس علاقے میں ذات باری کے بارے میں یہ تصور رائج تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

(التفکیر الدینی فی العالم قبل الاسلام: ۲۸/ ۳۰)

مذاہب عالم

تقابلِ ادیان کی تدوین میں مسلم مصنفین کا رول

انیس احمد مدنی

تقابل ادیان خالص اسلامی دور کی پیداوار ہے۔ قرآن کریم نے ہی اس فن کی بنا رکھی اور باطل عقائد و افکار پر تنقید کی راہ دکھائی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے عقائد پر سخت گرفت کی ہے۔ اور ان میں موجود زیغ وضلال کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن کریم نے حق وباطل کے درمیان موازنہ کر کے ہر صاحب عقل سلیم کو غور و فکر اور درست نتائج تک پہنچنے کی دعوت دی ہے۔ ارشاد باری ہے!

"أأرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار (سورۃ یوسف: ۳۹)

ترجمہ: بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟

سورۃ الاعراف میں ہے۔ ترجمہ:۔

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔ اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں، تم خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو دونوں صورتوں میں تمہارے لیے یکساں ہی رہے۔ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو، ان سے دعائیں مانگ کر دیکھو یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں؟ کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ کیا یہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھیں؟ کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں؟ اے نبی ان سے کہو کہ بلا لو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ (۱۹۱-۱۹۵)

ایسے ہی متعدد آیات میں انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے درمیان ہوئے مناظروں کی بعض تفصیلات بھی بیان کر دی گئی ہیں کیوں کہ باطل کے عیوب و نقائص کے اظہار سے حق کو نصرت و تائید حاصل ہوتی ہے اور عقل مندوں کے لئے موازنہ و تقابل کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اسی لئے اس منہج قرآنی کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں نے شروع سے ہی دیگر مذاہب و ادیان کے حصول کی جانب توجہ دی۔ عہد صحابہ میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی مذہب سے متعلق علم حاصل کرنے کے لئے چھ ماہ میں ہی عبرانی زبان سیکھ لی تھی۔ البتہ تقابل ادیان کا باقاعدہ آغاز عہد عباسی میں ہوا۔ برامکہ نے اپنے دور میں اس کی جانب خصوصی توجہ دی اور ۱۹۰ھ میں یحییٰ بن خالد برمکی کے دور میں دار الخلافہ بغداد سے ایک وفد ہندوستان آیا اور یہاں کے مذاہب و معابد کے متعلق تحقیقی مواد فراہم کیا الفہرست میں ہے۔ بعض متکلمین کا بیان ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک شخص کو اس غرض سے ہندوستان بھیجا کہ وہ اس کے پاس وہاں پائی جانے والی جڑی بوٹیاں لے کر آئے اور وہاں کے لوگوں کے مذاہب کے بارے میں اس کے لئے معلومات ضبط تحریر میں لائے چنانچہ اس نے مشہور کتاب "ملل الہند و ادیانہا"۔ (ہندوستانی قومیں اور مذاہب) تالیف کی۔ آگے لکھتے ہیں! "محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ سلطنت عرب کے جن لوگوں نے عقائد ہند کے بارے میں معلومات فراہم کرنے اور وہاں کے علماء طب اور حکیموں کو اپنے یہاں لانے کے لئے سعی و کوشش کی وہ یحییٰ بن خالد اور برامکہ کی جماعت ہے۔

ایسے ہی نصرانیت کی تردید میں بھی دوسری صدی ہجری سے ہی کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ابن ندیم کا بیان ہے کہ حسن بن ایوب نے اپنے بھائی علی بن ایوب کی خاطر ایک کتاب تالیف کی جس میں انہوں نے نصرانی عقائد پر بھرپور گرفت کی۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے دوسری صدی ہجری سے ہی تقابل ادیان پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ جس سے مشہور مستشرق آدم متز کی اس رائے کی عملی تردید ہو جاتی ہے جس کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب چوتھی صدی ہجری میں "اسلامی ثقافت" میں کیا ہے کہ مسلمانوں نے تقابل ادیان کے مطالعہ کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں کیا ہے اور بعض مسلم محققین نے بھی اسی کی عبارتوں کو دہرا کر مذکورہ بالا رائے کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ اس فن میں لکھنے کا آغاز دوسری صدی میں ہی ہو چکا تھا البتہ یہ علم اوج کمال پر چوتھی

صدی کے اوائل ہی میں پہنچا اور اس دور میں متعدد مذاہب و ادیان کے تعلق سے اسلامی عرب میں قابل قدر کتابوں کا اضافہ ہوا جس کی مختصر روداد ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔

۱: "الآراء والدیانات" اور "الرد علی اصحاب التناسخ" (عقیدہ آواگون کی تردید) یہ دونوں کتابیں نوبختی (۳۰۲ھ) کی تصنیف ہیں۔ آپ کا پورا نام حسن بن موسیٰ ہے بغداد کے رہنے والے تھے۔ اعتزال و تشیع کی جانب زیادہ میلان رکھتے تھے۔

۲: المقالات فی اصول الدیانات اور "المسائل والعلل فی المذاہب والنحل" کے مؤلف علی بن حسین بن علی (۳۴۶ھ) ہیں آپ بغداد کے رہنے والے تھے۔ مشہور سیاح و محقق اور نامور مورخ ہیں۔

۳: درک البغیۃ فی وصف الادیان والعبادات، اس کے مؤلف محمد بن عبد اللہ بن احمد المسبحی (۴۲۰ھ) فن ادب و تاریخ اور ادیان پر گہری نظر کے حامل تھے، کتاب ایک مجلد میں مطبوع ہے۔

۴: الفرق بین الفرق: کے مؤلف ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی (۴۲۹ھ) اصول فقہ کے مسلم امام ہیں، آپ کی فن ادیان پر ایک اور کتاب "الملل والنحل" کے نام سے بھی تھی جو اب ناپید ہے۔

۵: تحقیق ما للہند من مقولۃ فی العقل او مرذولۃ:

اس کے مؤلف محمد بن احمد ابو ریحان البیرونی ہیں اس کا اردو ترجمہ "البیرونی کا ہندوستان" کے نام سے چھپ چکا ہے، آپ نے یہ کتاب ہندوستان میں متعدد سال گذارنے کے بعد لکھی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب ہندوستان میں متعدد سال گذارنے کے بعد لکھی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کو اسی ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں جن امور کو بیان کیا ہے ان کی ذیلی سرخیاں قائم کی ہیں۔ پہلا باب تعارفی نوعیت کا ہے اور اس میں ان دشواریوں (زبان و مذہب کا اختلاف اور نسلی تعصب وغیرہ) کا ذکر کیا ہے جو ہندوستانی معاشرے کو معروضی انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے میں پیش آئی ہیں۔ اس باب میں انہوں نے اپنے طریق کار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد کے ابواب مذہب و فلسفہ (۸-۱) معاشرتی نظام، قانون و شریعت (۹-۱۱)

دینی اور علمی کتابیں (۱۲ تا ۱۴ اور ۱۶) یونانیوں کے طریقے، کیمیا (۱۵ تا ۱۷) جغرافیہ اور ستاروں کا علم، نجوم، تاریخ وغیرہ (۵۸ تا ۶۲) معاشرت، عبادات اور رسوم، تہوار وغیرہ (۶۳ تا ۷۹) احکام نجوم (۸۰) پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ البیرونی نے اس میں مشرقی تہذیب کو اس کے اپنے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس کا یہی وہ وصف خاص ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے بارے میں اس کی تصنیف کردہ اس کتاب کو اس قسم کی تمام دوسری کتابوں پر برتری حاصل ہے۔

۶: الفصل فی الملل والاہواء والنحل، علی بن احمد بن حزم (۴۵۶ھ) اس کے مؤلف ہیں۔ آپ ظاہری فقہ کے مشہور امام و محدث ہیں، فن ادیان کے بنیادی مآخذ میں اس کتاب کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی بعض فصلوں میں آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائد پر بھی تنقید کی ہے اور ان کی تحریروں میں متضاد اور متباین بیانات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کے خلاف مقدس متون کی تحریف کے الزام کو حق بجانب ثابت کیا جاسکے۔

۷: اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین: امام رازی (۶۰۶ھ) کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ اس مختصر رسالے کو علی السامی النشار نے ۱۹۳۸ء میں طبع کیا، رازی نے بڑے اختصار لیکن ساتھ ہی بڑی محنت اور غیر جانب داری سے مسلمانوں کے اکثر فرقوں اور متعدد زردشتی، یہودی اور عیسائی فرقوں کا ذکر کیا ہے، ایک باب فلاسفہ کے لئے بھی مخصوص ہے۔

۸: الملل والنحل: اس کتاب کے مؤلف ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی ہیں۔ علم کلام اور تقابل ادیان کے آپ امام سمجھے جاتے ہیں، یہ کتاب مذاہب کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے مآخذ و مصادر کی فہرست کافی طویل ہے۔

۹: بین المسیحیۃ والاسلام: ابو عبیدہ الخزرجی کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے قرطبہ کے زوال کے بعد جب مسیحی دعاۃ حرکت میں آئے تو ان کے حوصلے چند ہی سالوں میں اس قدر بلند ہو گئے کہ پادری "حنا قالہ" نے اندلس کے فقیہ ابو عبیدہ کے سامنے بھی نصرانیت کی دعوت پیش کی جس کے جواب میں آپ نے اپنی یہ مشہور کتاب تصنیف فرمائی اس کتاب میں مؤلف نے نصرانیت کے انحرافات کی بڑے عمدہ اور دلنشیں انداز میں تشریح کی ہے اور درج ذیل مسائل پر کھل کر بحث کی

ہے۔ عقیدۂ تثلیث، عقیدۂ صلب و فداء، مسیح علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کے معجزات، مسیح کی طبیعت، کنیسوں میں ظہور پذیر ہونے والے خارق عادت واقعات، توریت و انجیل کے تمدنی مسائل، یہودیت و نصرانیت اور اسلام میں تعدد ازدواج، جہاد نیز اخروی جزاء کے مسائل، اور توریت و انجیل کی تحریفات۔

۱۰: الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ابن تیمیہؒ کی یہ کتاب نصرانیت کی تردید میں ایک مبسوط اور مفصل کتاب ہے جسے آپ نے صیداء و انطاکیہ کے پادری پال (Paul) کے ایک خط کے جواب میں تصنیف فرمائی تھی۔ ایسے ہی نصرانیت و یہودیت کے ابطال پر ابن القیم الجوزیہ نے ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصاری تصنیف فرمائی۔ ابن القیم کے بعد تقابل ادیان پر چھوٹی بڑی بے شمار تصنیفات منظر عام پر آئیں، اہل یورپ نے اس فن کی تدوین کی جانب دیگر علم و فنون کی طرح کافی تاخیر سے توجہ کی، پندرہویں و سولہویں صدی میں استعماری مقاصد و اغراض کے پیش نظر انہوں نے ہند و چین کے علاقوں میں اپنے وفود بھیجے۔ چنانچہ ان دونوں صدیوں کے بعد تقابل ادیان کا فن مزید ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اب تعارف و تبصرہ سے آگے بڑھ کر مختلف ادیان و مذاہب میں مشترک عقائد و تعلیمات کی تحقیق کا آغاز ہوا جس کی تشکیل میں آثار قدیمہ کی کھدائیوں اور مردہ زبانوں کی ترویج سے کافی مدد ملی اور اس طرح وہ فن جس کا آغاز مسلمانوں سے ہوا تھا اہل یورپ نے اسے اوج کمال تک پہونچا دیا۔ البتہ مستشرقین اور مسلم مصنفین کے طرز تحقیق میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس وہ نور ہدایت ہے جس پر وہ اپنے نتائج و افکار کو پرکھ کر صحیح و غلط کی تمیز کر سکتے ہیں۔ نیز مسلمانوں کی تحقیق کا مقصد خالص علمی تھا علمی تھا جبکہ مستشرقین کا اہم ہدف مشرقی علاقوں میں استعمار کی راہوں کو ہموار کرنا تھا۔ تقابل ادیان اور ہندوستانی محققین: ہندوستانی علماء نے دیگر علوم و فنون کی طرح اس پر بھی کافی توجہ دی ہے اور ہندو دھرم، بدھ مت اور نصرانیت کے ابطال پر قیمتی مواد فراہم کیا ہے۔ چنانچہ نصرانیت کے ابطال پر سب سے عمدہ اور جامع کتاب مولانا رحمت اللہ بن خلیل اللہ کیرانوی کی اظہار الحق ہے، چھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور فاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی

زبان میں رد عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد یکجا نہ مل سکے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے۔ دنیا کی تمام ہی زندہ زبانوں میں اس کے ترجمے چھپ چکے ہیں اس کے علمی مواد کا اندازہ اس سے لگائیں کہ لندن ٹائمز نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی رک جائے گی۔ علاوہ محققین نے اس کتاب کو خراج تحسین پیش کی ہے اس کا ذکر اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں ہاں بعض مراجع کی جانب نشاندہی مناسب معلوم ہوتی ہے، شیخ باجی زادہ نے "الفارق بین الخالق والمخلوق" ر ۳۸۶ پر شیخ جزیری نے "ادلۃ الیقین ر ۹" میں، سید رشید رضا مصری نے انجیل برنباس پر اپنے مقدمہ میں، عمر الدسوقی نے "اظہار الحق" کے مقدمہ میں مولانا اشرف علی تھانوی نے بیان القرآن" میں، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے "قصص القرآن" میں اس کتاب کا ذکر کر کے اس کی تعریف و توصیف کی ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا اکبر علی صاحب نے کیا ہے جو محمد تقی عثمانی کی شرح و تحقیق کے ساتھ مکتبہ دار الاسلام کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں دولت مغلیہ کے زوال کے بعد عیسائی مشنریاں پورے ہندوستان میں پھیل گئیں اور انہوں نے اسلام پر بھرپور اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دوسری جانب آریہ سماج کے بانی "دیانند سرسوتی" نے اپنی مشہور کتاب "ستیارتھ پرکاش (یعنی حق روشنی) کا چودھواں باب اسلام کے ابطال پر مختص کیا، اس کتاب کو ہندو سماج میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی اور ہند اور بیرون ہند متعدد عالمی زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہوا، اس کتاب نیز آریہ سماج کی منظم جدوجہد سے مسلم معاشرہ افسردگی و مایوسی کا شکار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اس کی تردید کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے اس کے جواب میں "حق پرکاش" تالیف فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی ہندو دھرم اور نصرانیت کی تردید پر آپ کی متعدد تحقیقی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سب سے مشہور کتاب "اسلام اور مسیحیت" ہے۔

تقابل ادیان کی تاریخ پر جب بھی بحث ہوگی وہاں امام الدین رام نگری کا نام ضرور آئے گا موصوف نے اپنی پوری زندگی "ہندومت اور بدھ مت" کے ابطال میں گذار دی۔ مختلف

مذاہب پر آپ کی بیس سے زائد تصنیفات ہیں آپ کی کتابوں سے متعدد ہندو نوجوان متاثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۱) دراسات فی الادیان، سعود بن عبد العزیز بن خلف آپ مدینہ یونیورسٹی میں ادیان کے پروفیسر ہیں۔
(۲) یہودیت و مسیحیت، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، مکتبہ الدار مدینہ منورہ (۳) مقدمہ اظہار الحق از تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴، (۴) الفہرست ابن ندیم، پاکستان (۵) دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور (۶) کشف الظنون، حاجی خلیفہ دار احیاء التراث العربی (۷) البیرونی کا ہندوستان، مرتب قیام الدین نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا (۸) الملل و النحل، عبد الکریم شہرستانی، بیروت دار الکتب العلمیہ۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

ششماہی نتائج:

الحمد للہ جملہ شعبہ جات کے نتائج ۲۴/۶/ ۲۰۰۳ء کو آؤٹ ہوچکے ہیں۔ مجموعی طور پر نتائج بہتر ہیں۔ امید ہے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ انکی روشنی میں اپنی اپنی کمیوں کی تلافی اور تدارک کی کوشش میں لگ جائیں گے اور سالانہ امتحان کے نتائج کو اور بہتر بنانے کی جد و جہد کریں گے۔

جامعہ پر ریسرچ ورک:

جناب غلام نبی صاحب کشمیری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے ریسرچ اسکالر ہیں۔ آپ جامعۃ الفلاح کی تاریخ اور اسکے نہج تعلیم پر تحقیق کر رہے ہیں۔ اس مناسبت سے آپ متعدد بار جامعہ آچکے ہیں۔ آپ کی تحقیق بالکل آخری مرحلے میں ہے۔ آخری بار جب آپ جامعہ آئے تو ذمہ داران کی درخواست پر آپ نے ۵/۷/ ۲۰۰۳ء کو اولالیث ہال میں ایک توسیعی خطبہ دیا آپ نے جامعہ کے نصاب تعلیم کی خوبیوں اور اسکے امتیازات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ کے نصاب کی ایک اہم خوبی اسکے نصاب میں قرآن وسنت کی مرکزیت عصری علوم کا شمول اور اس کا ارتقاء پذیر ہونا ہے۔ نصاب تعلیم کو مفید سے مفید تر بنانے کے لئے اب تک سات سے زائد بار بڑی تبدیلیاں کی جاچکی ہیں۔

آپ نے جامعہ کے نہج تعلیم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا! "یہاں تعلیم کے جملہ مروج طریقے رائج ہیں۔ آغاز ہی سے یہاں ٹیچر ٹریننگ کورس کا اہتمام، توسیعی خطبات اور سیمیناروں کا انعقاد ہوتا رہا ہے۔

جناب محمد ارشد خان صاحب کے ساتھ اساتذہ کی ایک تعارفی نشست:

جناب محمد ارشد خان صاحب حیدرآباد کی ایک مشہور کمپنی "چار بھائی بیڑی والے" کے خارجہ امور کے ذمہ دار ہیں۔ دینی مسائل پر آپ کو بھرپور دسترس حاصل ہے۔ آپ جامعہ کے ہمدردوں میں سے ہیں۔ جولائی کے آغاز میں آپ جامعہ کی زیارت کے لئے آئے تو اساتذہ کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ آپ نے جامعہ کے نہج تعلیم کو کافی سراہا۔ اور حساب اور سائنس کے جانب بھرپور توجہ دینے پر زور دیا۔ اور تعلیم کی یکجائی اور دینی و دنیاوی تعلیم کے درمیان حسین امتزاج کو خوب سے خوب تر بنانے کی آپ نے تلقین کی۔

ذمہ داران جامعہ کا تعلیمی و تعارفی دورہ:

تعطیل گرما سے استفادہ کرتے ہوئے جامعہ کے ایک اعلی سطحی وفد نے ملک کے دو بڑے مشہور شہروں (ممبئی اور دہلی) کا ۱۰ روزہ تعلیمی و تعارفی دورہ کیا۔ ناظم جامعۃ الفلاح مولانا ابوالاعلی ندوی، مہتمم جناب مولانا رحمت اللہ اثری اور صدر شعبہ اعلی جناب مولانا محمد طاہر مدنی پر مشتمل وفد نے دونوں شہروں کے تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے متعدد افراد سے ملاقاتیں بھی کی۔ اجتماعی نشستوں کا اہتمام کیا گیا۔ چھوٹے بڑے کئی تعلیمی اداروں کا جائزہ لیا گیا۔ اور اس اہم تعلیمی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے اصحاب فکر و نظر سے بہتر تعاون کی اپیل کی گئی۔

اس دورے سے جامعہ کی تعمیر و ترقی اور اہتمام تعلیم و تربیت کو بہتر بنانے میں کئی اچھی باتیں سامنے آئی ہیں۔ اللہ تعالی ذمہ داروں کے نیک عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

دورہ علوم شرعیہ کا انعقاد:

دفتر اہتمام سے موصول شدہ خبر کے مطابق جامعۃ الفلاح میں ۱۱ تا ۱۵ اگست ۲۰۰۳ء ایک دورہ علوم شرعیہ کا انعقاد ہو رہا ہے۔ جس میں علوم شرعیہ کے مختلف اہم موضوعات پر اہل علم کے خطبات ہوں گے مدارس کے فضیلت درجات کے طلبہ کو اس میں شریک کیا جارہا ہے۔ سفر خرچ رہائش اور طعام وغیرہ کا نظم ہوگا۔ شرکاء کو اسناد اور انعامات بھی دیے جائیں گے۔

اظہار تعزیت:

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ ناظم مرکزی جامعۃ الفلاح جناب مولانا عبدالرحمن خالد صاحب فلاحی اور محترم عبدالحق فاروقی صاحب کی والدہ محترمہ طوفانی ہوا کی زد میں آکر ۲۰ جون کی صبح اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ استاذ محترم جناب مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی شیخ نے پڑھائی اور جامعہ سے متصل قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ مرحومہ دیندار اور صوم و صلوٰۃ کی بے حد پابند تھیں۔ جامعہ سے آپ کو دلی لگاؤ اور قلبی تعلق تھا جس کا واضح ثبوت آپ کے دونوں لڑکوں کا جامعہ سے فضیلت کی تکمیل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

اسی طرح یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ جناب محسن صاحب اور جناب مسلم صاحب کی والدہ محترمہ اور جناب رضی صاحب استاذ شعبہ ابتدائی کی ساس محترمہ ساجدہ خاتون صاحبہ ۲۶ جون کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ دیندار اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔ جامعۃ الفلاح سے آپ کو گہری وابستگی اور دلی لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تینوں بچوں نے جامعہ ہی سے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

فارغات متوجہ ہوں:

ارکان انجمن طالبات قدیم کے لئے یہ اطلاع باعث مسرت ہوگی کہ انجمن طالبات قدیم کا تیسرا اجلاس عام اپنی میقات کے اختتام پر انشاء اللہ فروری ۲۰۰۸ء میں ہونے جا رہا ہے۔ اس موقع پر ہم اپنی بہنوں کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس ان کے بوقت فراغت حاصل کئے گئے ایڈریس ہی موجود ہیں اور اجلاس سے متعلق خط و کتابت ہمارے لئے انہی ایڈریس پر ممکن ہو سکے گی۔ لہٰذا تمام بہنوں سے اپیل ہے کہ وہ اپنے اور دیگر فلاحی بہنوں کے تبدیل شدہ ایڈریس (اگر ان کے پاس موجود ہوں تو) فی الفور انجمن طالبات قدیم کے پتہ پر روانہ فرمائیں تاکہ ان کو دعوت نامے ارسال کئے جا سکیں۔ مزید اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے تجاویز و مشورے بھی ارسال فرمائیں اور خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ساجدہ فلاحی